حقوقِ سیریز

حقوق العباد

انما المؤمنون اخوة

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

حقوق سیریز

حقوق العباد

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

دارالسّلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
کراچی • لندن • هیوسٹن • نیو یارک

ح مکتبة دارالسلام، ١٤٢٦ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
يوسف، صلاح الدين
حقوق العباد باللغة الأردية/ صلاح الدين يوسف - الرياض، ١٤٢٦ هـ
ص: ٧٢ مقاس: ١٤×٢١ سم
ردمك: ٢-٦٢-٧٣٢-٩٩٦٠
١- الاسلام و حقوق الانسان　　أ-العنوان
ديوي ٢٥٧,٩　　١٤٢٦/٤٠١٥
رقم الإيداع: ١٤٢٦/٤٠١٥
ردمك: ٢-٦٢-٧٣٢-٩٩٦٠

نام کتاب : حقوق العباد　　مصنف : حافظ صلاح الدین یوسف

منتظمِ اعلیٰ : عبدالمالک مجاہد

مجلسِ انتظامیہ : محمد طارق شاہد (انچارج شعبہ ادب الاطفال والشباب) حافظ عبدالعظیم اسد (منیجر دارالسلام لاہور)
مجلسِ مشاورت : حافظ صلاح الدین یوسف　ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر　اشتیاق احمد　اشفاق احمد خاں
عرفان جمیل　محمد امین ثاقب　قاری طارق جاوید
تحریز ائننگ اینڈ السٹریشن : زاہد سلیم چودھری (آرٹ ڈائریکٹر)

معاونین : میاں خالد محمود　عمر فاروق　احسن محمود　حافظ عمران خان　خطاطی : اکرام الحق

سعودی عرب (ہیڈ آفس)
پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
Website: http://www.dar-us-salam.com　　E-mail: riyadh@dar-us-salam.com
❶ طریق مکہ - العلیا - الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945　❸ جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
❷ شارع الربعین - السلمز - الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221　❹ الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624　لندن فون: 5202666 208 0044 فیکس: 5217645 208
امریکہ ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431　❷ نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)
❶ 36 - لوئر مال سیکریٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072
E-mail: info@darussalampk.com　　website: www.darussalampk.com
❷ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703　❸ مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن - لاہور فون: 7846714
❹ Z-110,111 (D.H.A.S) مین طارق روڈ (بالمقابل فری ڈونٹ شاپنگ مال) کراچی فون: 4393936-21-0092 فیکس: 4393937

پیش لفظ

آج کے دور میں کوئی ایسا بھی ہے جسے کسی دوسرے سے گلہ نہ ہو، کوئی رنجش یا شکایت نہ ہو۔ ان شکووں سے رشتوں کی مضبوط دیواروں میں دراڑیں پڑ رہی ہیں۔ باہمی تعلق کے گلستان اُجڑ رہے ہیں، بندھن کمزور ہو رہے ہیں۔ رویوں میں سرد مہری کی برف جمتی جا رہی ہے۔ پیشانیاں شکنوں سے بھرتی جا رہی ہیں۔ آپ نے کبھی یہ جاننے کی کوشش کی کہ آخر ان ساری کیفیات کا سبب کیا ہے؟ محبت کی مٹھاس کی جگہ تلخی کا زہر کیوں رگوں میں اُتر رہا ہے؟ خوشیاں بانٹنے والے، اب دکھ کا باعث کیوں بن رہے ہیں؟

کچھ تو سوچا ہی ہوگا، آدمی کو اپنی بیماری کی وجہ سمجھ میں آ ہی جاتی ہے۔ یہ کوئی اتنا پیچیدہ مسئلہ نہیں۔ اس کی وجہ بھی بڑی واضح ہے۔ اختلاف ، جھگڑے اور رنجش کی ایک ہی وجہ ہوتی ہے، کسی کا حق نہیں دیا ہوتا، یا کسی کا حق چھینا ہوتا ہے۔ آج کے دور میں یہ فلسفہ ہر کسی کے ذہن میں جگہ بنا چکا ہے کہ دوسروں کو حق دینا نہیں اور اپنا حق چھوڑنا نہیں۔ یہی فساد کی بنیادی جڑ ہے۔ بندوں کے حقوق پورے نہیں کیے جائیں گے، ان کے حقوق پامال کیے جائیں گے، اُن کے حقوق سے روگردانی کی جائے گی، تو رشتے اور بندھن کمزور ہی ہوں گے۔
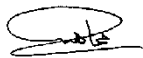
''حقوق العباد'' ایک بندے پر اللہ کی طرف سے عائد کردہ دوسرے بندوں کے جو حقوق ہیں، ان کی ادائیگی کا نام ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد ایک

ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ دونوں حقوق ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ایک حق کی ادائیگی سے دوسرا حق بھی ادا ہو جاتا ہے کیونکہ بندوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اور اللہ کا حکم مان کر ہم حقوق اللہ پورے کرتے ہیں۔

ہم حقوق العباد کا خیال کیوں نہیں رکھتے؟ یہ سوال بھی اپنی جگہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی وجہ یہی سامنے آتی ہے کہ ہم حقوق کے بارے میں علم اور شعور نہیں رکھتے۔ والدین، رشتے داروں، ہمسایوں، یتیموں اور مسکینوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں، اس پر ہم واجبی سا علم رکھتے ہیں۔ اسی محدود علم نے لامحدود مسائل اور تلخیوں کو جنم دیا ہے۔

حقوق العباد کیا ہیں؟ یہ اس کتاب کا موضوع ہے۔ اس کا مطالعہ ہم پر بہت اچھی طرح واضح کر دے گا کہ بندوں پر بندوں کے کیا حقوق ہیں اور انھیں کیسے اور کس طرح پورا کرنا چاہیے؟ اس کتاب کے ساتھ دارالسلام سٹوڈیو کی جانب سے دلنشین آواز میں کیسٹ اور سی ڈی بھی تیار کی گئی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب اور کیسٹ، سی ڈی ہماری زندگیوں کو رشتوں کی اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے، احسن انداز میں اُن رشتوں کی قدر بھی واضح کریں گی۔ ان شاء اللہ

والسلام

عبدالمالک مجاہد

حقوق العباد کا مطلب ہے، بندوں کے حقوق۔ یعنی ایک بندے پر، اللہ کے دوسرے بندوں کے جو حقوق ہیں، ان کو ادا کرنا۔ وہ حقوق کون کون سے ہیں اور انھیں کس طرح ادا کرنا ہے۔

اس وقت ہمارے معاشرے میں یہ رویہ بڑا عام ہے کہ کچھ لوگ حقوق اللہ کا تو اہتمام کرتے ہیں، لیکن وہ معاملات میں کھوٹے ہیں۔ اخلاق و کردار کی پستی میں مبتلا ہیں اور امانت و دیانت سے عاری ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ ہیں، وہ حقوق اللہ کو تو اہمیت نہیں دیتے، یعنی نماز، روزے وغیرہ عبادات کا تو اہتمام نہیں کرتے، لیکن اخلاق و کردار کے اچھے، معاملات کے کھرے اور امانت و دیانت جیسی خوبیوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

یوں اسلام کا کامل نمونہ اور اسلامی تعلیمات کا کامل پیکر ہمارے معاشرے میں بہت کم افراد نظر آتے ہیں۔ باعتبار اکثریت یا بحیثیت مجموعی ایسے سچے مسلمان نہ ان لوگوں میں نظر آتے ہیں جو دین سے وابستہ ہیں، دینی اقدار و شعائر کے پابند ہیں اور نماز، روزہ، حج و عمرہ وغیرہ عبادات کا اہتمام کرتے ہیں اور نہ ان میں جو دین سے بیگانہ اور دینی اقدار و شعائر سے بے پروا ہیں۔ حالانکہ کامل مسلمان بننے اور اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق بننے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے حقوق بھی صحیح طریقے سے

ادا کیے جائیں اور اسی طرح بندوں کے حقوق میں بھی کوتاہی نہ کی جائے، ورنہ اندیشہ ہے کہ نماز روزے کی پابندی کے باوجود رحمت و مغفرتِ الٰہی سے محرومی ہمارا مقدر بن جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا، تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے جواب دیا: اللہ کے رسول! مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم اور مال ومتاع نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ

«إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هٰذَا ، وَقَذَفَ هٰذَا ، وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ»

''میری امت کا مفلس شخص وہ ہوگا جو قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوگا دنیا میں وہ نمازیں پڑھتا رہا ہوگا، روزے رکھتا رہا ہوگا اور زکوۃ ادا کرتا رہا ہوگا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان باندھا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ (یہ سب مظلومین بارگاہِ الٰہی میں اس کے خلاف استغاثہ دائر کریں گے۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے) اس کی نیکیاں ان میں تقسیم کر دی جائیں گی۔ حتی کہ اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی لیکن اس کے ذمے ابھی دوسروں کے حقوق باقی ہوں گے، تو مظلومین کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے، (یوں اس کا دامن نیکیوں سے خالی ہو جائے گا، اور اس کے پاس گناہ ہی گناہ باقی رہ جائیں گے، بلکہ دوسرں کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پر ڈال دیا جائے گا) پھر سوائے

جہنم کا ایندھن بننے کے اس کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں رہ جائے گا۔"①

اس حدیثِ رسول سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نماز، روزے اور دیگر عبادات کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی بھی کتنی ضروری ہے۔ ان میں کوتاہی سے ہماری عبادات بھی ضائع ہو سکتی ہیں۔

اس لیے ضروری ہے کہ ہم بندوں کے حقوق بھی سمجھیں اور پھر انھیں صحیح طریقے سے ادا کریں۔

حقوق العباد میں سب سے پہلے رشتے داروں کے حقوق آتے ہیں، اور رشتے داروں میں سب سے مقدم انسان کے والدین ہیں۔ ماں باپ کے حقوق پر الگ مستقل کتاب میں روشنی ڈالی جائے گی، اس لیے یہاں ہم صرف دوسرے رشتے داروں کے حقوق پر ضروری گفتگو کریں گے۔

① صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم، حدیث : 2581

پہلا حق

رشتے داروں کے حقوق

اسلام نے رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی پر بڑا زور دیا ہے جس کا مطلب ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، ان کی خبر گیری کرنا اور ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ﴾

''اور رشتے دار کو اس کا حق دو۔'' ①

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا اور رشتے داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے۔'' ②

یہاں اللہ تعالیٰ نے عدل و احسان کے بعد رشتے داروں کو ان کا حق دینے کا حکم دیا حالانکہ عدل و احسان کے حکم میں رشتے داروں کے ساتھ حسنِ سلوک بھی آ جاتا ہے، اس کے باوجود اللہ نے ان کو دینے کا الگ حکم فرمایا، اس سے مقصود رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کی اہمیت کو اُجاگر کرنا ہے، اس لیے اس مسئلہ کا دوبارہ خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں تقریباً 9 مقامات پر رشتے داروں کو ان کا حق دینے یا ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ علاوہ ازیں بعض اور مقامات پر بھی ضمناً اس کا تذکرہ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بیشتر مقامات پر یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں:

---

① سورۂ بنی اسرائیل، آیت 26

② سورۃ النحل، آیت: 90

''اور رشتے داروں کو ان کا حق دو۔''

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ رشتے داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، ان کے ساتھ امداد و تعاون کا معاملہ کرنا، ان پر احسان نہیں ہے، بلکہ یہ وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اصحابِ حیثیت پر ان کے رشتے داروں کے معاملے میں عائد کیا ہے، اگر وہ اسے ادا نہیں کریں گے تو وہ عند اللہ ادائیگیٔ حق میں کوتاہی کے مجرم سمجھے جائیں گے۔

بنا بریں اہلِ ثروت و اہل خیر کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے اس حق کو اس طرح ادا کریں جیسے وہ نماز ادا کرتے ہیں۔ اللہ کے لیے روزہ رکھتے یا حج و عمرہ کرتے ہیں اور اپنے مالوں میں سے زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ ان عبادات کا اہتمام کرکے وہ کسی پر احسان نہیں کرتے، بلکہ اللہ کا شکر بجالاتے ہیں کہ اس نے انھیں وہ حقوق ادا کرنے کی توفیق دی جو اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کیے ہیں۔ اسی طرح رشتے داروں کی امداد کرکے انھیں یہ سمجھنا چاہیے کہ انھوں نے اپنا فرض اور حق ادا کیا ہے، کوئی احسان نہیں کیا ہے۔

اکثر لوگ یہاں کوتاہی کا ارتکاب کرتے ہیں اور رشتے داروں کا حق ادا کرکے ان پر احسان جتاتے اور ان کی عزتِ نفس اور وقار کو مجروح کرتے ہیں۔ اس طرح اپنی اس نیکی کو بھی برباد کر لیتے ہیں۔ اسی لیے قرآن نے اہلِ ایمان کو متنبہ کیا ہے:

﴿ لَا تُبْطِلُوا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ﴾

''اور احسان جتلا کر اور تکلیف دہ باتیں کرکے اپنے صدقات ضائع مت کرو۔''①

یہی وجہ ہے کہ ایک رشتے دار، باوجود غریب اور ضرورت مند ہونے کے، اپنے

① سورۃ البقرہ، آیت : 264

کسی مال دار رشتے دار سے مالی تعاون لینے سے بالعموم گریز کرتا ہے۔ یوں ہمارے رویے سے کتنے ہی ضرورت مند رشتے دار ہیں کہ وہ ہمارے تعاون سے محروم رہتے ہیں۔اس چیز نے اسلام کی اس خصوصی تعلیم کے ثمرات وفوائد اور برکات سے معاشرے کو اور خاندانوں کو محروم کر رکھا ہے۔

صلہ رحمی کے ثمرات وفوائد

اسلام کی یہ تعلیم کہ تم سب سے پہلے اپنے رشتے داروں کا خیال رکھو، اسلام کی ایک نہایت ممتاز اور بہترین تعلیم ہے۔ اگر لوگ صحیح معنوں میں اس پر عمل کریں، تو کسی ضرورت مند کو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی یا دربدر کاسۂ گدائی لیے پھرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ کیونکہ ہر خاندان میں چند افراد ضرور صاحبِ حیثیت ہوتے ہیں۔اسی طرح ہر خاندان کے لوگ ایک دوسرے کے حالات سے بھی بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ اگر ہر خاندان کے اصحابِ حیثیت اپنے اپنے خاندان کے ضرورت مندوں کی خاموشی کے ساتھ آبرومندانہ طریقے سے امداد کر دیا کریں، کوئی بے سہارا یتیم و بیوہ ہو، تو اس کی کفالت کریں، کوئی مریض علاج کرانے سے قاصر ہو تو اس کے علاج معالجہ کا انتظام کریں، جوان بچیاں گھر میں ہوں، تو ان کی شادیوں میں تعاون کریں۔ کاروباری مشکلات میں مبتلا افراد کے لیے دستِ تعاون دراز کریں، کوئی ارضی و سماوی آفات کی وجہ سے پریشان حال ہو جائے، اس کو ازسرِنو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی سعی کریں۔ اگر ایسا ہونا شروع ہو جائے، تو گداگری کی لعنت کا بھی خاتمہ ہو جائے اور سفید پوشوں کا بھرم بھی قائم رہے۔

اسلام نے رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے اور اسے صلہ رحمی

سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی بڑی فضیلت بتلائی ہے اور اس سے اعراض وگریز کرنے والوں کے لیے سخت وعید بیان فرمائی ہے۔ اس کی ضروری تفصیل حسبِ ذیل ہے:

1- دُگنا اجر

نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ»

"کسی مسکین پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور یہی صدقہ کسی (غریب) رشتے دار پر کیا جائے، تو اس کی حیثیت دوگونہ ہو جاتی ہے، ایک صدقے کی اور دوسری صلہ رحمی کی۔"①

ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک لونڈی آزاد کر دی اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا:

«لَوْ أَعْطَيْتِهَا أَخْوَالَكِ كَانَ أَعْظَمَ لأَجْرِكِ»

"اگر تو یہ لونڈی اپنے ماموؤں کو دے دیتی، تو تیرے لیے زیادہ اجر کا باعث ہوتا۔"②

اسی طرح نبیٔ کریم ﷺ نے ان دو عورتوں سے فرمایا جنھوں نے پوچھا تھا کہ وہ زکوۃ کی رقم اپنے خاوندوں اور اپنے پاس زیرِ پرورش یتیم بچوں پر خرچ کر لیں، تو جائز ہے:

«لَهُمَا أَجْرَانِ، أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ»

"ان کے لیے دُگنا اجر ہے۔ رشتے داری (کے حق کی ادائیگی) کا اجر اور

① جامع الترمذی، الزکاۃ، باب ماجاء فی الصدقة علی ذی القرابة، حدیث: 658
② صحیح مسلم، الزکاۃ، باب فضل النفقة والصدقة علی الاقربین...... 999

صدقے کا اجر۔“①

2- رزق میں کشادگی اور عمر میں اضافے کا باعث

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»

”جسے یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں کشادگی اور اس کی عمر میں اضافہ ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی (یعنی رشتے داروں کے حقوق ادا) کرے۔“②

3- جنت میں داخلے کا سبب

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

«أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ، قَالَ: مَا لَهُ مَا لَهُ؟ وَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَرَبٌ مَالَهُ؟ تَعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ»

”مجھے ایسا عمل بتلائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے؟ لوگوں نے کہا: اسے کیا ہے، اسے کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کوئی اہم حاجت ہے؟ (پھر اس کے سوال کے جواب میں فرمایا) تُو صرف ایک اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کر، نماز قائم کر زکوۃ ادا کر اور صلہ رحمی کر (یعنی قرابت داروں کا حق ادا کر)③

4- جنت میں جانے سے رکاوٹ کا باعث

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① صحیح مسلم، الزکاۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین 1000
② صحیح بخاری، الأدب، باب من بسط له فی الرزق لصلة الرحم، حدیث: 5986
③ صحیح بخاری، الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، حدیث: 1396

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ»

''قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔''①

5- دنیا ہی میں فوری سزا

سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ»

''ظلم و زیادتی اور قطع رحمی، دو جرم ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی سزا کے ساتھ، دنیا ہی میں ان کی فوری سزا بھی دے دیتا ہے۔ ان دو جرموں کے علاوہ اور کوئی جرم ایسا نہیں کہ جس کی سزا کا اللہ تعالیٰ اس طرح اہتمام کرتا ہو۔''②

6- رحم (صلہ رحمی) عرش کے ساتھ معلّق، دعا اور بددعا کرتا ہے

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُولُ: مَنْ وَصَلَنِي وَصَلَهُ اللهُ وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ اللهُ»

''رحم (صلہ رحمی) عرش کے ساتھ معلّق کہتا ہے: جو مجھے ملائے، اللہ اسے (اپنے ساتھ) ملائے اور جو مجھے قطع کرے، اللہ اسے قطع کرے۔''③

---

① صحیح بخاری، الأدب، باب اثم القاطع، حدیث: 5984

② جامع الترمذی، صفة القیمة، باب فی عظم الوعید علی البغی و قطیعة الرحم حدیث: 2511 وسنن ابی داود، الادب، باب فی النهی عن البغی، حدیث: 4902

③ صحیح مسلم، البروالصلة، باب صلة الرحم و تحریم قطیعتها، حدیث: 2555

7- بدسلوکی کے باوجود حسنِ سلوک کی تاکید اور اس کا صلہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتے دار ایسے ہیں کہ میں ان سے (صلہ رحمی کرتا) تعلق جوڑتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں، میں ان سے حسنِ سلوک کرتا ہوں اور وہ مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں، میں بُردباری اور برداشت سے کام لیتا ہوں، وہ میرے ساتھ جہالت سے پیش آتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

"اگر تُو واقعی ایسا ہے جیسا کہ تو بیان کر رہا ہے، تو گویا تو ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہا ہے۔ جب تک تیرا طرزِ عمل (ان کے ساتھ) ایسا ہی رہے گا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے، ان کے مقابلے میں ایک مددگار تیرے شاملِ حال رہے گا۔"①

8- حقیقی صلہ رحمی کیا ہے؟

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيءِ وَلٰكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا»

"بدلے میں صلہ رحمی کرنے والا، حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے۔ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے، جب قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔"②

9- صلہ رحمی کی اتنی تاکید کیوں؟

مذکورہ احادیث سے صلہ رحمی کی اہمیت اور تاکید واضح ہے۔ اب اس نکتے پر غور

---

① صحیح مسلم، البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم و تحریم قطیعتها حدیث : 2558

② صحیح بخاری، الادب، باب لیس الواصل بالمکافئ، حدیث : 5991

کرنا اور اس کا جائزہ لینا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی اتنی تاکید کیوں فرمائی ہے؟ حتیٰ کہ رشتے دار بدسلوکی کریں، تب بھی بدسلوکی کی بجائے حسنِ سلوک ہی کا حکم ہے قطع رحمی کے جواب میں قطع رحمی نہیں، صلہ رحمی ہی کرنی ہے، گالی کا جواب گالی سے نہیں، دعا سے دینا ہے اور کانٹے بکھیرنے والوں کو گل دستے پیش کرنے ہیں نہ کہ خاردار جھاڑیاں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑائی جھگڑے کے اسباب زیادہ تر رشتے داروں ہی کے درمیان پائے جاتے یا پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ

☆ رشتے ناتے بھی زیادہ تر رشتے داروں ہی کے درمیان ہوتے ہیں۔

☆ جائیدادوں میں اشتراک بھی رشتے داروں ہی کے درمیان زیادہ ہوتا ہے۔

☆ کاروبار میں حصہ دار بھی زیادہ تر قرابت مند ہی ہوتے ہیں۔

☆ مل جل کر رہنا بھی زیادہ تر رشتے داروں ہی کے درمیان ہوتا ہے۔

یہ چاروں ہی چیزیں ایسی ہیں جو لڑائی جھگڑے اور تلخی وکشیدگی کا باعث بنتی ہیں۔ جن سے آپ کا میل جول ہو، نہ کاروبار اور جائیداد میں کوئی شرکت ہو اور نہ کسی قسم کا کوئی رشتہ ناتا، تو ظاہر بات ہے ان سے آپ کا جھگڑا ہوگا، نہ کسی بات پر تلخی وکشیدگی۔ تلخیاں اور کشیدگیاں تو ایک جگہ مل جل کر رہنے ہی کی صورت میں ہوں گی یا جائیداد کی وجہ سے ہوں گی یا کاروبار میں شراکت ان کی بنیاد ہوگی یا باہم رشتے ناتے ان کا باعث ہوں گے۔

جب واقعہ یہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے انھی اسباب کی وجہ سے یہ تاکید فرمائی کہ رشتے داروں کے ساتھ جیسے بھی حالات پیش آئیں، یا وہ جس طرح کا بھی معاملہ

تمہارے ساتھ کریں، تم نے ہر صورت میں رشتے داری کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھنا ہے بلکہ اس کے تقاضوں کو بھی خوش اسلوبی سے ادا کرنا ہے۔ اگر تم نے صرف انھی رشتے داروں کے ساتھ اچھا رویہ رکھا جو تمہارے ساتھ اچھا رویہ رکھتے ہیں، صرف انھی کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جو تمہارے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہیں اور انھی رشتے داروں کے ساتھ تعاون کیا جو تمہاری عزت و وقار کو ملحوظ رکھتے ہیں، تو یہ صلہ رحمی نہیں ہے، بلکہ ادلے کا بدلہ ہے، احسان کے بدلے میں احسان ہے اور صلہ رحمی کے جواب میں صلہ رحمی ہے۔ جب کہ اصل صلہ رحمی یہ ہے کہ قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے، بدسلوکی کے جواب میں حسنِ سلوک کیا جائے اور رشتے داری کو ہر صورت میں برقرار رکھا جائے اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی سے کسی صورت بھی گریز نہ کیا جائے۔

10- صلہ رحمی کی ایک بہترین مثال اور نمونہ

اس کا بہترین نمونہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ جب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی، تو ان میں چند مسلمان بھی شریک ہو گئے۔ ان میں سے ایک سیدنا مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ نہایت غریب تھے، مکے سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ان کے کفیل تھے۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آئی کہ ان کی عظیم بیٹی صدیقۂ کائنات کو بدنام کرنے کی مہم میں مسطح بھی منافقین کے ہم نوا ہیں، تو انھیں سخت تکلیف پہنچی اور انھوں نے قسم کھالی کہ آئندہ وہ مسطح کی کفالت نہیں کریں گے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ غصہ فطری تھا اور ان کی قسم بھی اس کا ایک منطقی نتیجہ

تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فیصلے کو پسند نہیں فرمایا اور قرآنِ مجید کی یہ آیت نازل فرمادی:

﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ﴾

''تم میں سے جو اصحابِ حیثیت اور کشادگی والے ہیں، وہ رشتے داروں مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی بابت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ ان کو کچھ نہیں دیں گے۔ ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے؟'' ①

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنی، تو بے اختیار پکار اُٹھے:

«بَلَى وَاللهِ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لِي»

''کیوں نہیں، اللہ کی قسم! میں یقیناً پسند کرتا ہوں کہ میرا اللہ میرے گناہ معاف کر دے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر کے، سیدنا مسطح رضی اللہ عنہ کی کفالت اسی طرح شروع کر دی جیسے پہلے کرتے تھے۔ ②

رشتے داری کے حقوق ادا کرنے کے ضمن میں یہ واقعہ ہم سب کے لیے ایک مثال اور نمونہ ہونا چاہیے اور ہم سب کا رویہ وہی ہونا چاہیے جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

---

① سورۃ النور، آیت: 22

② صحیح بخاری، التفسیر، باب لولا اذ سمعتموہ ظن المومنون...... 4750

اختیار فرمایا۔

کیا ہم سے غلطیاں اور کوتاہیاں نہیں ہوتیں، یقیناً ہوتی ہیں اور ہم اللہ سے یہی چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں معاف فرمادے۔تو ہمیں بھی عفوودرگزر اور احسان ہی کی روش اپنانی چاہیے نہ کہ اس کے برعکس سختی اور عدمِ احسان کی۔

دوسرا حق

ہمسایوں کے حقوق

اللہ تعالیٰ سورۃ النساء میں فرماتا ہے:

﴿ وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ﴾

''اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور پڑوسی رشتے دار سے اور اجنبی ہمسائے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے احسان کا معاملہ کرو۔'' ①

اس آیت کریمہ میں ہمسایوں کی تین قسموں کا بیان ہے: رشتے دار ہمسایہ، اجنبی ہمسایہ، عارضی ہمسایہ۔ رشتے دار ہمسایہ تو وہ ہے جس کے ساتھ نسبی اور خاندانی قرابت ہے۔ اس کے ساتھ گویا دوگونہ تعلق ہوا، جس کو ہر موقعے پر ملحوظ رکھنا ہے، اس کے ساتھ حقِ قرابت بھی ادا کرنا ہے اور ہمسائیگی کا حق بھی۔

اجنبی ہمسائے کا مطلب ہے کہ وہ صرف ہمسایہ ہے، اس کے حسب نسب سے آپ آگاہ نہیں۔ آپ اس کے لیے بیگانہ اور اجنبی ہیں اور وہ آپ کے لیے اجنبی اور بیگانہ ہے۔ لیکن وہ آپ کا ہمسایہ ہے، اس لیے اجنبیت اور بیگانگی کے باوجود اس کے ساتھ ہمسائیگی کا حق ادا کرنا ضروری ہے۔

عارضی ہمسائے کا مطلب ہے کہ کوئی شخص آپ کے ساتھ بس میں، ریل میں یا ہوائی جہاز وغیرہ میں ہم سفر ہے، وہ آپ کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا ہے، آپ

① سورۃ النساء، آیت: 36

اپنے حسنِ اخلاق و کردار سے اسے متاثر بھی کر سکتے ہیں اور اپنی بدمزاجی، بداخلاقی اور بدزبانی سے متنفر بھی۔ اس کا حقِ ہمسائیگی آپ صحیح طریقے سے ادا کریں گے تو یقیناً آپ اسے اپنا گرویدہ بنا لیں گے۔

ان تینوں قسم کے ہمسایوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم ہے۔ پڑوسی صرف وہی نہیں ہوتا جس کا گھر آپ کے گھر کے ساتھ یا سامنے ہو، بلکہ اردگرد کے رہنے والے سب پڑوسی ہیں، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّ اللهَ وَرَسُولَهُ أَوْ يُحِبَّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ فَلْيَصْدُقْ حَدِيثَهُ إِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ أَمَانَتَهُ إِذَا اؤْتُمِنَ وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهُ»

”جسے یہ پسند ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے، یا اللہ اور اس کا رسول اسے پسند کرے، تو اسے چاہیے کہ جب وہ بات کرے تو سچی کرے اور جب اسے امانت پکڑائی جائے تو اسے ادا کرے اور اپنے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔“①

سیدنا ابوشریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ، قِيلَ: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ»

”اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کون مومن نہیں ہو سکتا؟ آپ نے فرمایا: وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں

① شعب الایمان للبیہقی، حدیث: 1533

سے محفوظ نہ ہوں۔"①

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لاَ يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُحِبَّ لِجَارِهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»

"اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کوئی بندہ مسلمان نہیں جب تک کہ وہ اپنے ہمسائے کے لیے وہی کچھ نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔"②

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ»

"وہ شخص ایمان دار نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔"③

کوئی پڑوسی آپ سے برا سلوک کرے تو صبر کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہی ہے۔ پڑوسیوں کے ہاں تحفے تحائف بھیجتے رہنا چاہیے، اس سے محبت بڑھتی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ، لاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسَنَ شَاةٍ»

"اے مسلمان عورتو! ہرگز کوئی پڑوسن اپنی دوسری پڑوسن کے لیے (معمولی ہدیے کو بھی) حقیر نہ سمجھے، خواہ بکری کے کھر ہی کا کیوں نہ ہو۔"④

---

① صحیح بخاری، الأدب، باب إثم من لا یأمن جاره بوائقه ، حدیث :6016
② صحیح مسلم ، الإیمان ، باب الدلیل علی أن من خصال الإیمان ...... حدیث : 45
③ سلسلة الاحادیث الصحیحة، للالبانی ، حدیث :149
④ صحیح بخاری، الهبة و فضلها والتحریض علیها ، باب فضل الهبة، حدیث :2566

قریب ترین ہمسائے کا زیادہ حق ہے، لہٰذا چیز پہلے اس کے ہاں بھیجی جائے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ»

''پڑوسیوں میں سے بہترین پڑوسی اللہ کے ہاں وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے سب سے بہتر ہے۔''①

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید جس قدر اسلام نے کی ہے، کوئی اور مذہب ان کے ساتھ حسنِ سلوک پر اتنا زور نہیں دیتا۔ اس کا بخوبی اندازہ آپ صحیح بخاری کی اس روایت سے لگا سکتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوْصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ»

''جبریل مجھے پڑوسی کے بارے میں مسلسل تاکید و تلقین کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ اُسے یقیناً وارث قرار دے دیں گے۔''②

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے خطاب کر کے فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ! إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً، فَأَكْثِرْ مَاءَهَا، وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ»

''اے ابوذر! جب تم شوربے والا سالن پکاؤ، تو اس کا شوربہ زیادہ کر لیا کرو اور اپنے پڑوسی کا خیال رکھا کرو۔''③

---

① جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی حق الجوار، حدیث: 1944

② صحیح البخاری، الأدب، باب الوصاءة بالجار، حدیث: 6015,6014

③ صحیح مسلم، البر والصلة، باب الوصیة بالجار والإحسان إلیه، حدیث: 2625

ان احادیث سے جہاں پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید سمجھ میں آتی ہے وہاں پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے آداب وحدود بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ

- ★ ان کے ساتھ اپنوں کا سا معاملہ کیا جائے، نہ کہ بیگانوں کا سا۔
- ★ ہمسایوں کا دوست بن کر رہا جائے، نہ کہ دشمن۔
- ★ ان کا ہمدرد اور خیر خواہ ہونا چاہیے، نہ کہ ان کا بدخواہ اور سنگدل۔

اس کے علاوہ یہ حسنِ سلوک کمالِ ایمان کے لیے بھی ضروری ہے اور آخرت میں سرخروئی کے لیے ناگزیر بھی۔

ایک مومن اس طرح ہی اللہ کے ہاں بہتر درجہ حاصل کرسکتا ہے۔

تیسرا حق

یتیموں اور مسکینوں کے حقوق

یتیم اسے کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہو گیا ہو۔ وہ جب تک جوان نہ ہو جائے یتیم ہے، بالغ ہونے کے بعد وہ یتیم نہیں رہتا۔

اسلامی معاشرہ کسی کو تنہا چھوڑنے کا حکم نہیں دیتا۔ اسلام نے یتیموں کے حقوق کی تقسیم اس طرح کی ہے:

1: حسنِ سلوک

2: مالی امداد

3: معاشی تحفظ۔

اللہ تعالیٰ سورۃ النساء میں فرماتا ہے:

﴿ وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ ﴾

''اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، رشتے داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔''①

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ انسان کا قریب ترین تعلق ماں باپ سے ہوتا ہے یتیموں سے حسنِ سلوک کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اس کا ذکر والدین اور رشتے داروں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الضحیٰ میں فرماتا ہے:

﴿ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ○ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴾

''یتیم پر سختی نہ کر، اور سائل کو نہ جھڑک۔''②

① سورۃ النساء ، آیت : 36 ② سورۃ الضحیٰ آیت : 10, 9

اس حکم میں یتیم پر سختی کرنے اور اسے جھڑکنے سے منع کیا گیا ہے۔ سیدنا سھل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا، وَقَالَ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰى»

"میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں دو انگلیوں (شہادت والی اور درمیانی انگلی) کی طرح قریب ہوں گے۔"①

یہاں یہ بات اہم ہے کہ یتیم کے ساتھ محض زبانی ہمدردی کافی نہیں۔ یتیم کو مالی اخلاقی امداد اور معاشی تحفظ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ میں فرماتا ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ﴾

"اور وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ ان کی اصلاح کرنا بہت بہتر ہے۔"②

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ مال داروں کے مال میں سے جو صدقہ نکالنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ ان کا احسان نہیں، بلکہ یہ تو حاجت مندوں کا ان پر حق ہے جس کی ادائیگی ان کی اخلاقی، مذہبی اور انسانی ذمے داری ہے۔ صرف فرض صدقات ہی پر حاجت مندوں کا حق نہیں، بلکہ نفلی صدقات میں بھی یہی صورتِ حال ہے۔ فرق یہ ہے کہ فرض صدقات میں حصہ مخصوص ہے، نفلی صدقات میں نہیں۔

صدقات و خیرات نہ دینے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی سخت وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الماعون میں فرماتا ہے:

---

① صحیح بخاری، الأدب، باب فضل من یعول یتیما، حدیث: 6005
② سورۃ البقرہ، آیت: 220

﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ ، فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ﴾

''تم نے دیکھا نہیں اس شخص کو جو آخرت کی جزا سزا کو جھٹلاتا ہے۔ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ، اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔''①

یتیموں اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کر کے ان پر احسان نہیں جتلانا چاہیے۔ مسلمان تو ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں، جیسا کہ نیک لوگوں کے اوصاف کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴾

''اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین ، یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں۔ اور ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا مندی کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔''②

اب ہم معاشی تحفظ کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر کوئی یتیم صاحبِ جائیداد ہے تو اس کے ولی پر یہ فرض ہے کہ وہ اس کی جائیداد کی دیکھ بھال بحسن وخوبی اُس کے بالغ ہونے تک کرے اور یہ کام بلا معاوضہ کرے۔ البتہ ولی اگر خود غریب ہے تو ضرورت کے مطابق معاوضہ لے سکتا ہے۔ اِس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ یتیم کے مال اور جائداد سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔

---

① سورۃ الماعون، آیات : 1-3

② سورۃ الدھر، آیت :8، 9

چوتھا حق

ملازمین کے حقوق

معاشرے کے دیگر افراد کی طرح ملازم، خادم یا مزدور کے بھی اس شخص پر حقوق ہیں، جس کے تحت وہ کام کر رہا ہے۔ یہ حقوق چار قسم کے ہیں:

- خوش گفتاری
- حسنِ سلوک
- کام میں معاونت
- تحفظ ملازمت

خوش گفتاری کا مطلب یہ ہے کہ خادم کو اس کے اصلی نام سے پکارا جائے۔ اگر پیار سے کسی اور نام سے پکارنا چاہے تو وہ نام بھی اچھا ہو۔ نام بگاڑ کر نہ لے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کم سن خادم تھے۔ آپ نے دس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، آپ فرماتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے، میرے بیٹے جیسے شفقت آمیز نام سے پکارتے تھے۔"①

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انس رضی اللہ عنہ کو پیار سے اُنیس بھی کہتے تھے۔②

دوسرا یہ کہ خادم کا مذاق اڑانا چاہیے، نہ اس کی عیب جوئی کرنی چاہیے۔ کیونکہ قرآن وحدیث میں اس کی بڑی وعید بیان کی گئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴾

"بڑی تباہی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے، والا غیبت کرنے والا ہو۔"③

---

① سنن أبي داود، الأدب، باب في الرجل يقول لابن غيره: يابني، حديث :4964

② سنن أبي داود، الأدب، باب في الحلم وأخلاق النبي ﷺ، حديث :4773

③ سورة الهمزه، آيت : 1

خوش اخلاقی کا تقاضا یہ ہے کہ مالک کو چاہیے کہ اپنے خادم اور اولاد کو ایک سطح پر رکھے، کیونکہ دونوں اُسی کے زیر سایہ رہتے ہیں۔ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ»

”تمہارے کچھ بھائی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں میں دے رکھا ہے، اگر کسی کے ہاتھ میں اللہ نے اس کے بھائی کو دیا ہو تو اسے چاہیے، جو کچھ خود کھائے، وہی اُسے کھلائے، جو خود پہنے اسے پہنائے، اور ان کو اتنے کام کی تکلیف نہ دو کہ ان کے لیے مشکل ہو جائے اور اگر کوئی سخت کام ان پر ڈالو تو تم خود بھی ان کی مدد کرو۔“①

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيُنَاوِلْهُ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ، أَوْ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ، فَإِنَّهُ وَلِيَ حَرَّهُ وَعِلَاجَهُ»

”جب تم میں سے کسی شخص کا خادم اس کا کھانا لائے تو اگر وہ اسے اپنے ساتھ نہیں بٹھا سکتا تو کم از کم ایک یا دو لقمہ اس کھانے میں سے اسے کھلا دے کیونکہ اس نے پکاتے وقت اس کی گرمی اور تیاری کی مشقت برداشت کی ہے۔“②

---

① صحيح بخارى ، الإيمان ، باب المعاصى من أمر الجاهِلِيَّةِ ولا يكفرّ صاحبها...... ، حديث : 30

② صحيح بخارى، الأطعمة، باب الأكل مع الخادم ، حديث : 5460

نبی کریم ﷺ اپنے خادموں کے کاموں میں ان کی مدد فرمایا کرتے تھے اور اپنا کام خود کرتے تھے۔

خادم اور نوکر کا یہ بھی حق ہے کہ اسے تحفظِ ملازمت ہو۔ نبی کریم ﷺ نے تمام زندگی کسی ایک خادم کو بھی خدمت سے الگ نہیں فرمایا۔ آپ خادموں کی کوتاہیوں کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ دوسری طرف خادموں کی بھی یہ ذمے داری ہے کہ اپنے فرائض کو محنت سے انجام دیں، خیانت نہ کریں۔ جان، مال اور آبرو کی حفاظت آقا اور خادم دونوں کا مشترکہ حق ہے۔

پانچواں حق

حکمرانوں اور رعایا کا حق

کسی ملک کا نظام چلانے اور اس میں امن وسکون قائم کرنے اور رکھنے کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔

1۔ حکمرانوں کا عادل و منصف اور عوام کے دکھ درد کو سمجھنے والا ہونا۔

2۔ عوام کا اپنے حکمرانوں کے ساتھ تعاون کرنا۔

ان دونوں باتوں کی بنیاد خیر خواہی ہے یعنی دونوں ہی ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں۔ جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے۔

«الدِّينُ النَّصِيحَةُ»

''دین خیر خواہی کا نام ہے۔''

ایک دوسرے کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ حکمران قومی آمدنی کو اپنے اللّوں تللّوں پر نہ اڑائیں۔ اس سے اپنے اردگرد کے حوالیوں، موالیوں ہی کو نہ نوازیں اور اپنی ہی حفاظت پر قومی وسائل کو بے دردی سے صرف نہ کریں۔ بلکہ صحیح معنوں میں اسے عوام کی فلاح و بہبود پر، ان کی تعلیم و تربیت پر، ان کو عدل و انصاف مہیا کرنے پر، امن وسکون قائم کرنے پر، ان کو علاج معالجے کی سہولتیں فراہم کرنے پر اور اسی طرح ان کو ان کی ضرورت اور ملکی وسائل کے مطابق ہر طرح کی آسائشیں اور سہولتیں مہیا کرنے پر صرف کریں۔

یہی امانت و دیانت کا تقاضا بھی ہے اور رعایا کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ بھی۔ ایسے ہی عادل حکمرانوں کو قیامت کے دن میدانِ حشر کی ہولناکیوں کے وقت اللہ کے

عرش کا سایہ نصیب ہوگا۔

رعایا پر حکمرانوں کا حق یا ان کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ حکمران اگر راہ حق سے ہٹنے لگیں تو انھیں راہ راست کی طرف بلائیں، اور اگر ان کے حکم میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو، تو اسے بجا لائیں۔ اسی صورت میں سلطنت کا کام اور انتظام درست رہ سکتا ہے کیونکہ اگر حکمرانوں کی مخالفت اور نافرمانی کی جائے تو بدنظمی پھیل جائے گی اور سب کام بگڑ جائیں گے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی، اپنے رسول کی اور حکمرانوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان حکمرانوں کی جو تم سے ہوں۔"①

نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ»

"مسلمان کے لیے امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ ان چیزوں میں بھی جنھیں وہ پسند کرے اور ان میں بھی جنھیں وہ ناپسند کرے، جب تک اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے، اگر اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر ان کی سمع واطاعت ضروری نہیں۔"②

---

① سورۃ النساء، آیت: 59

② صحیح بخاری، الأحکام، باب السمع و الطاعة للإمام مالم تکن معصیة حدیث: 7144 و صحیح مسلم، الإ مارة، باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة...... حدیث: 1839

ایک دوسری حدیث میں سلمہ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

«أَرَأَيْتَ إِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُونَا حَقَّنَا فَمَا تَأْمُرُنَا؟ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ فَجَذَبَهُ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ، وَقَالَ: اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ»

''اے اللہ کے نبی! یہ فرمایئے! اگر ہم پر ایسے حکمران مسلط ہو جائیں، جو ہم سے تو اپنا حق مانگیں لیکن ہمیں ہمارا حق نہ دیں تو اس بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے اس شخص سے منہ پھیرلیا۔ اس شخص نے دوسری بار وہی سوال کیا، آپ نے پھر منہ پھیرلیا، پھر پوچھا تو اشعث بن قیس نے سلمہ کو کھینچا پھر کہا: ''ان کی بات سنو اور اطاعت کرو، اس لیے کہ ان کی ذمے داری کا بوجھ ان پر ہے اور تمہاری ذمے داری کا تم پر۔'' ①

گویا حکمرانوں کا رعیت پر یہ حق ہے کہ رعیت اہم امور میں حکمرانوں کے ساتھ تعاون کرے، کیونکہ جو امور حکمرانوں کو سپرد کیے گئے ہیں ان کے نفاذ میں رعیت ان کی مددگار ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ امیر کے کام اور معاشرے کے سامنے اس کی مسئولیت ہر ایک کو معلوم ہونی چاہیے، کیونکہ اگر مسئولیت والے کاموں میں رعایا حکمرانوں کے ساتھ تعاون ہی نہ کرے تو وہ اسے مطلوبہ صورت میں کیسے سرانجام دے سکتے ہیں؟

① صحیح مسلم، الإمارة، باب فی طاعة الأمراء و إن منعوا الحقوق، حدیث: 1846

چھٹا حق

عام مسلمانوں کا حق

مسلمانوں کے بھی باہم ایک دوسرے پر متعدد حقوق ہیں۔ ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ ، قِيلَ: مَا هُنَّ؟ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللهَ فَشَمِّتْهُ ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ»

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں: پوچھا گیا، وہ کون کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب تو اسے ملے تو السلام علیکم کہہ۔ اور جب وہ تجھے دعوت دے تو تُو اس کی دعوت قبول کر، اور جب وہ تجھ سے خیر خواہی طلب کرے تو تُو اس کی خیر خواہی کر اور جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمد لله کہے تو تُو یرحمك الله کہہ اور جب وہ بیمار ہو تو تُو اس کی عیادت کر، اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں شامل ہو۔''①

گویا اس حدیث میں مسلمانوں کے باہمی کئی حقوق کا بیان ہے۔

1- السلام علیکم کہنا سنت مؤکدہ ہے اور مسلمانوں میں انس و محبت پیدا کرنے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے جیسا کہ یہ بات مشاہدے میں آچکی ہے اور اس پر نبی ﷺ

① صحیح مسلم، السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام حدیث:2162

کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے:

«لاَ تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلاَ تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا أَوَ لاَ أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلاَمَ بَيْنَكُمْ»

''جب تک تم ایمان نہ لاؤ جنت میں داخل نہ ہو گے اور جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو گے، مومن نہ ہو گے۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز کی خبر نہ دوں کہ جب تم اسے کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو؟ آپس میں السلام علیکم کو خوب پھیلاؤ۔''①

خود رسول اللہ ﷺ کو جو بھی ملتا، آپ اسے پہلے سلام کہتے اور جب بچوں کے پاس سے گزرتے تو انھیں بھی سلام کہتے۔

سلام کا سنت طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کہے۔ تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو اور سوار پیدل چلنے والے کو سلام کہے۔ لیکن سنت کے مطابق جسے سلام کہنا اولیٰ ہے اگر وہ سلام نہ کہے تو دوسرا کہہ لے، تاکہ سلام ضائع نہ ہو، گویا جب چھوٹا سلام نہ کرے تو بڑا کہہ لے اور اگر تھوڑے سلام نہ کہیں تو زیادہ کہہ لیں، تاکہ دونوں کو اجر مل جائے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تین چیزیں ہیں جو شخص انھیں اکٹھا کر لے، اس کا ایمان مکمل ہو گیا: اپنے آپ سے انصاف کرنا اور سب لوگوں کو سلام کہنا اور تنگی کی حالت میں خرچ کرنا۔②

---

① صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون ...... حديث: 54

② صحيح بخاري، الإيمان، باب إفشاء السلام من الإسلام

ابتداءً سلام کہنا سنت ہے مگر اس کا جواب دینا فرضِ کفایہ ہے کہ اگر ایک شخص ایک جماعت پر سلام کہے اور ان میں سے ایک شخص سلام کا جواب دے دے، تو باقی سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا﴾

''اور جب تم کو کوئی سلام کہے تو تم اس سے بہتر الفاظ سے جواب دو یا ویسے ہی لفظ سے جواب دے دو۔''①

سلام کے جواب میں صرف ''کیا حال ہے'' وغیرہ کہہ دینا ہی کافی نہیں، کیونکہ یہ الفاظ نہ تو سلام سے اچھے ہیں اور نہ اس جیسے ہی ہیں۔

2- جب تجھے مسلمان بھائی دعوت دے تو اسے قبول کر، یعنی جب تجھے اپنے گھر کھانے پر، یا کسی اور کام کے لیے بلائے تو اس کی بات مان لے۔ دعوت کو قبول کرنا سنتِ مؤکدہ ہے، کیونکہ اس میں بلانے والے کے دل کی عظمت ہے اور اس سے محبت اور الفت پیدا ہوتی ہے۔ البتہ شادی کا ولیمہ اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ اس دعوت میں معروف شرائط کا ہونا لازمی ہے، مثلاً: اس میں غیر شرعی حرکات (ویڈیو، میوزک، وغیرہ) کا ارتکاب نہ ہو، بے حیائی والے کام (مجرا وغیرہ) نہ ہوں، اسراف نہ ہو اور اسی طرح کی دیگر خرافات نہ ہوں۔ ایسی دعوتوں میں شریک ہونا ضروری نہیں، بلکہ گناہ ہے۔ ہاں اگر آپ ایسی دعوتوں میں جا کر مذکورہ خرافات و حرکات کو روک سکتے ہیں۔ تو پھر آپ ضرور جائیں۔ ان کے علاوہ عام دعوتوں کو قبول کرنے کا حکم ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ ،فَقَدْ عَصَى اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُولَهُ»

''جس نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔''②

---

① سورة النساء، آیت: 86

② صحيح مسلم، النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث:1432

اسی طرح ایک دعوت کسی کارِ خیر یا اس میں معاونت کے لیے ہے، تو اس سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بڑی تاکید ہے۔ جیسے نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔''①

3- ''جب تجھ سے خیر خواہی طلب کرے تو تُو اس کی خیر خواہی کر، یعنی جب وہ تیرے پاس آ کر اپنے لیے کسی چیز میں تیری خیر خواہی کا طالب ہو تو اس کی خیر خواہی کر۔ کیونکہ یہ بھی دین کا حصہ ہے۔ سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»

''دین خیر خواہی کا نام ہے ہم نے کہا: کس سے؟ آپ نے فرمایا: اللہ سے اس کی کتاب سے، اس کے رسول سے، مسلمانوں کے حکمرانوں سے اور عام مسلمانوں سے۔''②

یہ خیر خواہی اتنی ضروری ہے کہ اگر وہ خیر خواہی طلب کرنے کے لیے نہ بھی آئے اور صورتِ حال یہ ہو کہ اسے کوئی نقصان پہنچنے والا ہو تو تجھ پر واجب ہے کہ اس کی

① صحیح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنین و تعاطفهم و تعاضدهم حدیث: 2585

② صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان أن الدین النصیحة، حدیث: 55

خیر خواہی کر، اور اس کو صورتِ حال سے آگاہ کر کے اس نقصان سے بچانے کی کوشش کر۔

4- جب اسے چھینک آئے اور الحمد للّٰہ کہے تو تُو اس کے لیے یرحمك اللّٰہ (اللہ تجھ پر رحم فرمائے) کہہ۔ اور یہ اس کے لیے شکر کے طور پر ہوگا کہ اس نے چھینک کے وقت اپنے پروردگار کی تعریف بیان کی۔ البتہ اگر وہ چھینک مارتے وقت الحمد للّٰہ نہ کہے تو پھر اس کے لیے دعائیہ کلمہ یرحمك اللّٰہ کہنا ضروری نہیں۔ البتہ جب چھینکنے والا الحمد للّٰہ کہے تو پھر یرحمك اللّٰہ کہنا ضروری ہے اور چھینکنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے جواب میں کہے: یھدیکم اللّٰہ و یصلح بالکم ''اللہ تجھے ہدایت دے اور تیرا حال درست کرے'' اور جب اسے بار بار چھینکیں آرہی ہوں تو تین بار یرحمك اللّٰہ کہے اور اس کے بعد چاہے تو جواب دے اور چاہے تو نہ دے۔

5- ''جب وہ بیمار ہو تو تُو اس کی بیمار پرسی کر۔'' مریض کی عیادت کے معنی اس سے ملاقات کرنا ہیں۔ یہ مسلمان بھائیوں کا اس پر حق ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر عیادت کرنا واجب ہے اور جب مریض سے تمہاری قرابت ہو یا دوستی ہو یا ہمسائیگی ہو تو عیادت اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔

عیادت مریض اور مرض کے حسبِ حال ہونی چاہیے، کبھی حالات کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ بار بار عیادت کے لیے آیا جائے، کیونکہ حالات کا لحاظ رکھنا بہت مناسب ہے۔ جو شخص مریض کی عیادت کرے اس کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ اس کا حال پوچھے اور اس کے لیے دعا کرے اور کشادگی اور امید کا دروازہ کھولے۔ کیونکہ یہ چیز صحت اور شفا کے بڑے بڑے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور مناسب یہ ہے کہ

اسے ناصحانہ انداز میں توبہ واستغفار کی تلقین کرے۔ مثلاً اسے کہے: مرض سے اللہ تعالیٰ خطائیں دور کرتا ہے اور برائیاں مٹا دیتا ہے اور شاید تو اپنے اس مرض میں کثرتِ ذکر توبہ وانابت، کثرتِ استغفار اور دعا سے بہت بڑا اجر کما لے۔

6- جب مسلمان بھائی مرے تو اس کے جنازے میں شریک ہو، گویا مسلمان کا یہ حق ہے کہ اپنے بھائی کے جنازے میں شریک ہو اور اس میں بہت بڑا اجر ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتَّى يُصَلِّيَ فَلَهُ قِيرَاطٌ وَمَنْ شَهِدَ حَتَّى تُدْفَنَ كَانَ لَهُ قِيرَاطَانِ، قِيلَ: وَمَا الْقِيرَاطَانِ؟ قَالَ: مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ»

''جس نے جنازے میں شرکت کی اور نمازِ جنازہ پڑھی، تو اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک ساتھ رہا تو اسے دو قیراط کا ثواب ملتا ہے۔ پوچھا گیا کہ دو قیراط کتنے ہوں گے؟ فرمایا کہ دو عظیم پہاڑوں کے برابر۔''①

مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا کا مروجہ قیراط نہیں ہے، جو درہم کا بارھواں حصہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے اجر وثواب کی وہ عظیم مقدار مراد ہے جس کا صحیح معنوں میں ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

7- ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے تکلیف پہنچانے سے باز رہے، کیونکہ مسلمانوں کو دکھ پہنچانا بہت بڑا گناہ ہے۔

---

① صحيح بخاری، الجنائز، باب من انتظر حتى تدفن، حديث: 1325

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾

''جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا پہنچاتے ہیں، جب کہ انھوں نے کوئی جرم نہ کیا ہو، تو یقیناً ان لوگوں نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھایا۔''①

اور اکثر یوں ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی پر کوئی تکلیف مسلط کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اس سے انتقام لے لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَحَاسَدُوا وَلاَ تَنَاجَشُوا وَلاَ تَبَاغَضُوا ، وَلاَ تَدَابَرُوا وَلاَ يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا، عِبَادَ اللهِ ! إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يَخْذُلُهُ ، وَلاَ يَحْقِرُهُ التَّقْوٰى هٰهُنَا وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلاَثَ مِرَارٍ : بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ ، دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»

''ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور اشیاء کی قدر و قیمت بتانے میں مبالغے اور دھوکے سے کام نہ لو، آپس میں دشمنی نہ رکھو، نہ تعلقات منقطع کرو۔ کوئی تم میں سے دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے، نہ اس کو حقیر جانے۔ تقویٰ اور پرہیز گاری یہاں ہے اور آپ نے اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ کیا (یعنی ظاہر میں عمدہ

① سورۃ الاحزاب، آیت: 58

اعمال کرنے سے آدمی متقی نہیں ہوتا جب تک اس کا سینہ صاف نہ ہو) آدمی کو یہ برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ مسلمان کا خون، مال، عزت وآبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔"①

مسلمان پر مسلمان کے حقوق تو بہت ہیں لیکن جامع معنی کے طور پر وہی بات کہی جاسکتی ہے جو نبی کریم ﷺ کا قول ہے:

" اَلْمُسْلِمُ أَخُوْ الْمُسْلِمِ " مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ جب وہ اخوت کے مقام پر آ گیا تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ہر چیز جس میں خیر ہو وہ اس کے لیے اختیار کرے اور ہر اس چیز سے باز رہے جو اس کو تکلیف پہنچا سکتی ہو۔

① صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم و خذله و احتقاره ودمه و عرضه و ماله، حدیث:2564

ساتواں حق

غیر مسلموں کا حق

غیر مسلموں میں ہر طرح کے کافر شامل ہیں اور ان کی چار اقسام ہیں:

حربی، مستامن، معاہد اور ذمی۔

حربی کافروں سے مراد وہ کافر ہیں جن سے جنگ و پیکار کا سلسلہ قائم ہو۔ ان کا ہم پر کوئی حق نہیں کہ ان کی حمایت یا رعایت کی جائے۔ مستامن کافر وہ ہیں جو مسلمانوں سے امان مانگیں۔ ان کا ہم پر یہ حق ہے کہ ان کے امن دینے کے وقت اور اس جگہ کا لحاظ رکھا جائے جہاں انھیں امان دی گئی ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ﴾

”اور (اے نبی) اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ چاہے تو اس کو پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کی امن کی جگہ واپس پہنچا دیں۔“①

معاہد کافر وہ ہیں جن سے کوئی عہد و پیمان ہو گیا ہو۔ ان کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم ان کا عہد اس مدت تک پورا کریں جو ہمارے اور ان کے درمیان اتفاق سے طے ہوا ہے جب تک کہ وہ اس عہد پر قائم رہیں، اس میں سے کچھ کمی نہ کریں اور نہ وہ ہمارے خلاف کسی کی مدد کریں اور نہ ہمارے دین ہی میں طعنہ زنی کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾

---

① سورة التوبه، آیت: 6

''لیکن جن مشرکوں کے ساتھ تم نے عہد کیا ہے پھر انھوں نے تمہارے حق میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو ان سے (مقررہ) مدت تک ان کا عہد پورا کرو، بلاشبہ اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔''①

نیز فرمایا:

﴿وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ١ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ﴾

''اور اگر وہ عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو کفر کے ان سرداروں سے جنگ کرو، بے شک ان کی قسموں کا اعتبار نہیں۔''②

رہے ذمی تو مذکورہ اقسام میں سے ان کے حقوق زیادہ ہیں (ذمی وہ غیر مسلم ہیں جو اسلامی مملکت میں رہتے ہوں) ان کے کچھ حقوق ہیں، تو کچھ ذمے داریاں بھی ان پر عائد ہوتی ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے ملک میں وہ زندگی بسر کرتے اور ان کی حمایت اور رعایت میں رہتے ہیں، جس کے عوض وہ جزیہ ادا کرتے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کے حاکم پر واجب ہے کہ ان کے خون، مال اور عزت کے مقدمات میں اسلام کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے، اور جس چیز کی حرمت کا وہ عقیدہ رکھتے ہیں ان میں ان پر حدود قائم کرے اور حاکم پر ان کی حمایت اور ان سے ایذا کو دور کرنا واجب ہے۔

---

① سورۃ التوبہ، آیت: 4 ② سورۃ التوبہ، آیت: 12

یہ بھی ضروری ہے کہ ان کا لباس مسلمانوں کے لباس سے الگ ہو، وہ کسی ایسی چیز کا اظہار نہ کریں جو اسلام میں ناپسندیدہ ہو یا وہ چیز ان کے دین کا شعار (شناختی علامت) ہو، جیسے ناقوس اور صلیب وغیرہ۔ اپنے شعائر دین کا احترام اور دیگر اس قسم کی چیزیں، جن میں تبلیغ ودعوت کا پہلو پایا جاتا ہو، اسلامی ملک میں رہتے ہوئے، ان کو مذکورہ چیزوں کا پرچار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

آٹھواں حق

آجر اور مزدور کے حقوق

اسی طرح مزدور اور آجر کے حقوق ہیں۔ مزدور کی جائز ضروریات سے آجر کو غافل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ خود تو وسیع و عریض کوٹھیوں میں رہے اور مزدور کو سر چھپانے کی جگہ بھی نہ دے۔ یہی نہیں، آجر کو اس کے بچوں کی مناسب دیکھ بھال اور تعلیم کا انتظام بھی کرنا چاہیے۔ اجرت اتنی دی جائے کہ وہ آسانی سے اپنی گزر بسر کر سکے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَعْطُوا الأَجِيرَ أَجْرَهُ، قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ»

''مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔''①

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

«ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ»

''قیامت کے دن میں تین آدمیوں سے جھگڑوں گا، ایک تو اس شخص سے جس نے میرے نام پر عہد کیا، پھر اس کو توڑ ڈالا دوسرا اس شخص سے جس نے آزاد انسان کو فروخت کیا، تیسرا اس شخص سے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے پورا پورا کام لیا اور اسے اجرت پوری نہ دی۔''②

① سنن ابن ماجه، الرهون، باب لا يغلق الرهن، حديث: 2443

② صحيح بخاری، الإجارة، باب إثم من منع أجر الأجير، حديث: 2270

حقوق العباد کی ادائیگی میں معاون چند اہم امور

1- عدل وانصاف

عدل کا مطلب ہے مساوی اور برابر ہونا۔ اسی لیے آپس کے جھگڑوں کی صورت میں انصاف اور مساوات کی بنیاد پر فیصلے کرنے کو عدل کہا جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو عدل اللہ تعالیٰ کی صفتِ عظیم ہے۔ کائنات کا یہ نظام، عدل سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ النحل میں فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے۔''①

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں عدل اور احسان دونوں صفات کو دیکھنا پسند کرتا ہے۔ دنیا کا ہر شخص عدل کا خواہش مند ہے۔ انسان کو قدم قدم پر عدل اور احسان سے واسطہ پڑتا ہے۔ دودھ والے سے آپ امید رکھتے ہیں کہ وہ دودھ میں پانی نہ ملائے۔ چیزیں خریدتے وقت آپ امید کرتے ہیں کہ ان میں ملاوٹ نہ ہو اور وزن بھی پورا ہو۔ دفتر یا کچہری میں آپ پسند کرتے ہیں کہ آپ کے ساتھ عدل والا معاملہ ہو۔ پولیس کا محکمہ بھی نظامِ عدل ہی سے منسلک ہے۔ غرض پورا معاشرہ عدل پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو عدل کی صفت اس قدر پسند ہے کہ اس وصف کے حامل لوگوں کو اپنا محبوب قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''②

---

① سورۃالنحل ، آیت : 90 ② سورۃ الممتحنہ ، آیت : 8

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَاظِلَّ إِلَّاظِلُّهُ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ»

''سات طرح کے آدمی ہوں گے، جن کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں ایک عادل حکمران ہوگا۔''①

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُقْسِطِينَ، عِنْدَاللهِ، عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ، عَنْ يَمِينِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا»

''عدل کرنے والے، اللہ رب العزت کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اہل وعیال کے معاملات میں اور جو کام ان کے سپرد تھے، ان میں عدل کرتے تھے۔''②

اس سلسلے میں غور طلب بات یہ ہے کہ عدل کرنا اس وقت بہت مشکل ہو جاتا ہے جب کوئی دشمن سامنے ہو، لیکن اسلام نے اس حالت میں بھی عدل کا حکم دیا ہے۔ اسلام، دشمن قیدیوں سے بھی اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب شام کی طرف فوجیں روانہ کیں، تو انھیں یہ ہدایات دی تھیں کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ پھل دار درخت نہ کاٹے جائیں، کھیت نہ جلائے جائیں

① صحیح بخاری، الأذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ و فضل المساجد، حدیث: 660 ② صحیح مسلم، الامارۃ، باب فضیلۃ الامیر العادل و عقوبۃ الجائر ...... حدیث: 1827

جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے، آبادیوں کو ویران نہ کیا جائے۔ جو لوگ اطاعت کریں ان کے جان و مال کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح مسلمان کی جان و مال کا کیا جاتا ہے۔

عدل کا دائرہ بیوی، اولاد، ہمسائے، اعزہ و اقارب تک پھیلا ہوا ہے۔ سب کے ساتھ ہر معاملے میں عدل اور احسان کا رویہ اختیار کرنا فرض ہے۔

اسلامی عدل کا ایک نمونہ

غسان کے بادشاہ جبلہ نے اسلام قبول کرلیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے اسلام لانے کی بہت خوشی ہوئی۔ وہ خانہ کعبہ کا طواف کررہا تھا کہ کسی غریب آدمی کا پاؤں اس کے کپڑے پر آ گیا۔ اس پر جبلہ نے ایک زوردار تھپڑ اس غریب کو دے مارا۔ اس غریب کا دانت ٹوٹ گیا۔ اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ جبلہ نے جرم کا اقرار کیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غریب سے فرمایا: اپنا بدلہ لے لو، یعنی اسے بھی اتنے ہی زور سے تھپڑ رسید کرو۔ جبلہ یہ فیصلہ سن کر سراسیمہ ہو گیا اور بولا: اس عام سے آدمی کو مجھ جیسے بادشاہ کے برابر کر دیا گیا ہے کہ اُسے مجھ سے بدلہ لینے کا حق حاصل ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام نے تم دونوں کو برابر کر دیا ہے۔ جبلہ نے بدلہ دینے کے لیے ایک روز کی مہلت مانگی۔ آپ نے اسے مہلت دے دی۔ وہ رات کے وقت چھپ کر بھاگ نکلا اور اسلام سے پھر گیا، مرتد ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی ذرہ برابر پروا کی، نہ اسلام کو جبلہ کے مرتد ہونے سے کوئی نقصان پہنچا، بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رعایت کرتے تو ضرور اسلام کو نقصان پہنچتا۔ لوگ خیال کرتے کہ اسلام کمزور کو طاقت ور سے بدلہ نہیں دلوا سکتا۔ اس قسم کی اور بھی بے شمار مثالیں ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر نبیٔ اکرم ﷺ نے واضح طور پر فرمایا تھا:

«وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى»

’’تم سب کا باپ ایک ہی ہے (یعنی تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو) خبردار! کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر۔ نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو کسی گورے پر۔ فضیلت ہے تو تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔‘‘ ①

اسلام ہر شخص کو اظہارِ رائے کی آزادی دیتا ہے۔ عدل قائم بھی اسی صورت میں رہ سکتا ہے، اگر زبانیں بند کر دی جائیں تو عدل کہاں رہ جائے گا۔

عدل کی ایک اور نادر مثال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک شخص نے کہا: ہم آپ کی بات سنیں گے، نہ عمل کریں گے کیونکہ آپ نے اپنے حصے سے زیادہ کپڑا لیا ہے۔ تمام مسلمانوں کے حصے میں ایک چادر آئی تھی، آپ لمبے قد کے ہیں، ایک چادر میں آپ کا لباس نہیں بن سکتا، پھر ایک ہی چادر میں آپ کا لباس کس طرح تیار ہو گیا؟ آپ پہلے اس سوال کا جواب دیں۔ آپ اس وقت ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل پر حکمران تھے۔ انتہائی طاقت ور تھے چاہتے تو اس آواز کو دبا سکتے تھے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا، اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ اس سوال کا جواب دیں۔ انھوں نے اٹھ کر کہا: میں نے اپنے حصے کی چادر والدِ محترم کو دے دی تھی، اس طرح آپ کا لباس بنا۔

① مسند أحمد: 411/5

اس قسم کی اور بے شمار مثالیں ہیں۔ قرونِ اولی میں جب کسی میں کوئی صلاحیت پائی جاتی تھی تو یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کہ وہ کسی غلام کا بیٹا ہے یا کسی اونچے مرتبے والے کا بیٹا ہے، اُسے عہدہ دے دیا جاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اسلامی لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا، جب کہ اس وقت بڑے بڑے صحابہ موجود تھے۔ ان سب کو سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت روانہ فرمایا۔ یہ شخصی اور اجتماعی عدل کی مثالیں ہیں۔

عدل کے ساتھ ہی احسان کا حکم ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عدل یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے ذمے ہے، وہ دے دو، جتنا تمہارا حق ہے، وہ لے لو۔ اور احسان یہ ہے کہ اس سے زیادہ دو جتنا تمہارے ذمے ہے اور اس سے کم لو جتنا تمہارا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

''اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''①

اسی طرح سورۃ النحل میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔''②

احسان کی مثال یہ ہے کہ چوری کا ملزم سامنے آتا ہے، جرم ثابت ہے، یہاں منصف معافی سے کام نہیں لے سکتا بلکہ اسے سزا دینی ہوگی، یہاں عدل کرنا فرض ہے، لیکن اگر آپ کا اپنا ملازم کوئی چیز چرا لیتا ہے، آپ اسے دیکھ لیتے ہیں تو آپ اسے تنبیہ کر کے چھوڑ سکتے ہیں۔ یہ احسان ہے، آپ چاہتے تو اسے قانون کے

① سورۂ آل عمران، آیت: 134 ② سورۃ النحل، آیت: 90

حوالے کر سکتے تھے۔

سیدنا صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں سو رہا تھا۔ میرے سر کے نیچے ایسی چادر تھی جس کی مالیت تیس درہم تھی۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور میرے سر کے نیچے سے چادر کھینچ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ایک آدمی نے اُسے پکڑ لیا اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرما دیا۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا تیس درہم کے عوض آپ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالیں گے؟ ایسا نہ کریں، میں یہ چادر تیس درہم کے بدلے اس کو اُدھار بیچ دیتا ہوں یعنی اس طرح چوری کا جرم ختم ہو جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَهَلاَّ كَانَ هٰذَا قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِي بِهِ»

''یہ کام اسے میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ کیا؟'' ①

مطلب یہ کہ تم اس سے احسان کا معاملہ کر سکتے تھے، لیکن اب چونکہ مقدمہ عدالت میں پیش ہو چکا ہے، لہٰذا احسان یعنی معافی کی گنجائش نہیں۔ اپنے معاشرے میں احسان کی مثال یوں ہے کہ ریلوے گارڈ ایک شخص کو غریب سمجھ کر اس سے ٹکٹ کی قیمت نہیں لیتا تو یہ طریقہ عدل کے خلاف ہوگا۔ اس لیے کہ ریل گاڑی حکومت کی ملکیت ہے۔ گارڈ اجازت کے بغیر کسی کو ایسی رعایت نہیں دے سکتا۔ اگر گارڈ رحم کرنا چاہتا ہے تو قیمت جیب سے ادا کرے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ کسی شخص پر آپ کا قرضہ ہے اور مقروض اسے مقررہ مدت میں ادا نہیں کرتا تو آپ کا حق ہے کہ آپ قرض کا مطالبہ کریں، معاملہ عدالت تک لے جائیں، لیکن اگر آپ اسے مہلت دے دیتے ہیں یا اسے قرض معاف کر دیتے ہیں تو یہ آپ کا احسان ہوگا۔

---

① سنن ابی داود، الحدود، باب فیمن سرق من حرز، حدیث: 4394

2- رزقِ حلال کا اہتمام

رزقِ حلال، حقوق العباد کی ادائیگی کا لازمی جز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں ارشاد ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ﴾

''اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عملِ صالح کرو۔''①

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ ہی کی عبادت کرنے والے ہو تو جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں کھانے کو عطا کی ہیں، وہی کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔''②

کسبِ حلال کا اہتمام اور حرام سے اجتناب اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال سے قبل اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی کمائی حرام کی ہو تو اس کے نیک اعمال قبول نہیں ہوتے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا، وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: ﴿ يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ﴾ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَارَبِّ! يَارَبِّ!

① سورة المومنون، آیت: 51 ② سورة البقرة، آیت: 172

وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ! وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ»

''اے لوگو! اللہ پاک ہے اور وہ صرف پاک مال ہی قبول کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اُسی بات کا حکم دیا ہے، جس کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا ہے۔ (یعنی رزقِ حلال کا) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔''①

پھر نبی کریم ﷺ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کر کے آیا ہو، اس کے بال پراگندہ ہوں اور وہ گردوغبار سے اَٹا ہوا ہو۔ وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے پروردگار! اے میرے پروردگار! جبکہ اس کا کھانا حرام کا، پینا حرام کا، لباس حرام کا، جس غذا سے اس کا جسم بنا وہ بھی حرام طریقے سے حاصل کی گئی، تو ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہو۔②

3- حرام خوری سے اجتناب

انسان اگر چاہتا ہے کہ اس کی عبادات قبول ہوں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزی کو پاکیزہ بنائے، کیونکہ حرام خور کی کوئی عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ وہ جنت ہی میں جائے گا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

① سورۃ المومنون، آیت : 51

② صحیح مسلم ، الزکاۃ ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب و تربیتھا حدیث : 1015

«إِنَّهُ لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ النَّارُ أَوْلٰى بِهِ»

”وہ گوشت جو حرام مال سے پروان چڑھا ہے، جنت میں داخل نہیں ہوگا اور جو بھی گوشت حرام مال سے پروان چڑھے اس کے لیے آگ ہی زیادہ لائق ہے۔“①

نبی کریم ﷺ نے حرام سے اجتناب کی بڑی تاکید کی ہے یہاں تک کہ آپ نے حرام سے بچنے کے لیے مشتبہ چیزوں سے بھی بچنے کا حکم دیا ہے۔ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«الْحَلاَلُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَةٌ، فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ عَلَيْهِ مِنَ الإِثْمِ كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ أَتْرَكَ، وَمَنِ اجْتَرَأَ عَلٰى مَا يَشُكُّ فِيهِ مِنَ الإِثْمِ أَوْشَكَ أَنْ يُّوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ وَالْمَعَاصِي حِمَى اللهِ، مَنْ يَرْتَعْ حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُّوَاقِعَهُ»

”حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، جو شخص ان چیزوں کو چھوڑ دے جن کے گناہ ہونے یا نہ ہونے میں شبہ ہے۔ تو وہ ان چیزوں کو تو ضرور ہی چھوڑ دے گا جن کا گناہ ہونا ظاہر ہے، لیکن جو شخص شبہ کی چیزوں کے کرنے کی جرأت کرے گا تو قریب ہے کہ وہ ان گناہوں میں بھی مبتلا ہو جائے جو بالکل واضح طور پر گناہ ہیں۔ لوگو یاد رکھو گناہ اللہ تعالیٰ کی چراگاہ ہے جو جانور بھی چراگاہ کے اردگرد چرے گا اس کا چراگاہ کے اندر چلا جانا ناممکن نہیں۔“②

سیدنا عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

① مسند احمد: 321/3 ② صحیح بخاری، البیوع، باب: الحلال بین والحرام بین وبینهما مشتبهات، حدیث: 2051

«لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ ، حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذَرًا لِمَا بِهِ بَأْسٌ»

''کوئی بندہ اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا، جب تک اندیشے والی چیزوں سے بچنے کی خاطر ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے، جن میں کوئی اندیشہ نہیں۔''①

ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ حرام اور مشتبہ چیزوں سے مکمل طور پر اجتناب کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ بلا وجہ کسی سے سوال کرنے سے بھی پرہیز کرے، کیونکہ بلا وجہ سوال کرنے والا قیامت کے روز اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔ اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حقیر سے حقیر پیشہ اختیار کرنا بھی لوگوں سے سوال کرنے سے بہتر ہے۔

ان احادیث سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام میں کسبِ حلال کی کس قدر اہمیت ہے اور حرام کمائی کی کس قدر مذمت کی گئی ہے کہ کسبِ حرام سے بچاؤ کے لیے اسلام نے مشتبہ چیز یعنی جس کی حرمت واضح نہیں، اس سے بھی پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے اور ناجائز کسی سے سوال کرنے کو بھی سخت ناپسند کیا ہے اور رزقِ حلال کمانے کا درس دیا ہے۔

4- تجارت اور ہاتھ سے کمانے کی فضیلت

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے کام کرنے کی نہ صرف ترغیب دی ہے بلکہ اسے بہترین کسب بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

«مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»

① جامع الترمذي، صفة يوم القيامة، باب علامة التقوى ودع مالا بأس به حذرا حديث : 2451 و سنن ابن ماجه ، الزهد ، باب الورع والتقوى ، حديث : 4215

"کسی انسان نے اس شخص سے بہتر روزی نہیں کھائی، جو خود اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتا ہے۔"①

ہاتھ سے کمانا یعنی تجارت کرنا ایک باعزت پیشہ ہے۔ اس پیشے کی فضیلت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ خود نبوت سے قبل بارہ سال تک تجارت کرتے رہے۔ بعض جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی شغل رہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد مسلمانوں نے اس میدان میں خوب محنت کی اور اس میں نیک نامی بھی پیدا کی۔

تجارت کا پیشہ اگر اسلامی حدود کے اندر رہ کر اختیار کیا جائے تو یہ دنیا میں رزق کی فراوانی کے علاوہ اخروی زندگی میں بھی بلندیٔ درجات پر فائز کر دیتا ہے۔ لیکن افسوس کہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو تجارت میں راست بازی اور دیانت داری اختیار کرتے اور دھوکے فریب اور دغا بازی سے اجتناب کرتے ہیں۔ ایسے لوگ واقعی لائقِ تحسین ہیں۔ جو لوگ تجارت میں ہیرا پھیری اور دھوکا دہی کا برتاؤ کرتے ہیں، ان کا حشر کیا ہوگا؟ جامع ترمذی کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا، إِلاَّ مَنِ اتَّقَى اللهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ»

"تاجر لوگ قیامت کے روز گناہ گار کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے مگر ایسا تاجر جو اللہ سے ڈرتا رہا اور نیکی کرتا اور سچ بولتا رہا۔"②

لہٰذا ایک تاجر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت کو غلط اور ناجائز طریقوں

① صحیح بخاری، البیوع، باب کسب الرجل وعمله بیده، حدیث: 2072
② جامع الترمذی، البیوع، باب ماجاء فی التجار وتسمية النبی ﷺ إياهم حديث: 1210

سے بچائے، تا کہ اس کا مال پاک ہو اور اس کی روزی حلال کی ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ اور طیب روزی ہی قبول کرتا ہے۔ پاکیزہ اور حلال مال سے جو صدقہ وخیرات اللہ کے راستے میں دیا جائے، اللہ اسے قبول کرتا ہے۔ حرام اور مشتبہ مال سے دیا ہوا صدقہ وخیرات بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں ہوتا۔ سلف صالحین اور محدثین نے جہاں حدیث کے میدان میں کذاب، دجال اور مجروح راویوں کی نشاندہی کی وہاں تجارت کے میدان میں بھی کمال دیانت داری کا ثبوت دیا اور جھوٹ، دغابازی اور حرام کو قریب تک نہ پھٹکنے دیا۔ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد محدث اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے پورے مال میں ایک درہم بھی ایسا نہیں جس کے متعلق حرام کا شبہ بھی ہو۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص حرام مال سے صدقہ دیتا ہے اور خیرات کرتا ہے، وہ اس شخص کی مانند ہے، جو ناپاک کپڑے کو پیشاب سے دھوتا ہے۔ ابنِ مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شبہے کا ایک درہم اس کے مالک کو واپس کر دینا، لاکھ درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

اسی طرح اگر ایک تاجر کی دوسرے تاجر سے شراکت ہے، تو ان میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے مال کو باطل اور ناجائز طریقے سے نہ کھائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ ﴾

''اور تم لوگ ایک دوسرے کا مال ناروا طریقے سے نہ کھاؤ۔''①

سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِامْرِیءٍ أَنْ يَأْخُذَ مَالَ أَخِيهِ بِغَيْرِ حَقِّهِ وَذٰلِكَ

① سورۃ البقرہ، آیت: 188

لِمَا حَرَّمَ اللّٰهُ مَالَ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ»

''کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کا مال دبا لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا مال غصب کرنا حرام قرار دیا ہے۔''①

سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ ظَلَمَ قِيدَ شِبْرٍ مِنَ الأَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ»

''جس شخص نے ایک بالشت بھر زمین کسی سے زبردستی چھین لی، قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اسے پہنایا جائے گا۔''②

ان آیات اور احادیث کی روشنی میں اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں کیا ہو رہا ہے، ہم ایک دوسرے کی زمین غصب کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ دفاتر میں رشوت کے بغیر کوئی ایک قدم نہیں اٹھا سکتا۔ تاجر حضرات بھی دھوکے اور جھوٹ سے اپنی تجارت چمکاتے نظر آتے ہیں۔ اس طرح ہم دوسروں کے حقوق ادا کرتے ہیں یا غصب کرتے ہیں؟ فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

5- حسنِ اخلاق کی اہمیت

حقوق العباد میں حسنِ خلق کا معاملہ بہت اہم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ خلق کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان یوں ہے:

﴿ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴾

''اور بے شک آپ بہت بڑے عمدہ اخلاق پر ہیں۔''③

---

① مسند احمد: 425/5 ② صحیح بخاری، المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، حديث: 2453 وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، حديث 1612,1611,1610 ③ سورة القلم، آیت: 4

یعنی یہ صفت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بلند ترین سطح پر تھی۔ سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ صَالِحَ الأَخْلاَقِ»

''مجھے بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ اعلیٰ ترین اخلاق کی تکمیل کروں۔'' ①

اس کا مطلب ہے، حسنِ اخلاق بہت اعلیٰ صفت ہے اور اللہ تعالیٰ یہ صفت اپنے بندوں میں دیکھنا پسند کرتا ہے اور حسنِ اخلاق اللہ کا بہترین عطیہ ہے۔

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ»

''اعمال کی ترازو میں حسنِ خلق سے زیادہ وزنی چیز کوئی نہیں ہوگی۔'' ②

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا»

''کامل ترین ایمان ان لوگوں کا ہے جو اخلاق کے لحاظ سے اچھے ہیں۔'' ③

حسنِ اخلاق میں یہ چیزیں آتی ہیں: خوش گفتاری، حسنِ کردار، خاکساری دوسروں سے خندہ پیشانی سے ملنا اور بات کرنا۔ نیز حرام سے بچنا، حلال کی طلب اہل وعیال کے حقوق ادا کرنا اور ان سے حسنِ سلوک کرنا۔ اللہ کی مخلوق کا خوشی اور مصیبت دونوں حالتوں میں خیال رکھنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِس سلسلے میں ہمارے لیے سب سے اعلیٰ نمونہ ہیں۔ آپ کے قول وفعل میں مکمل ہم آہنگی تھی، جس کام کا دوسروں کو حکم

---

① مسند احمد : 381/2

② سنن ابی داود ، الأدب ، باب فی حسن الخلق ، حدیث : 4799

③ سنن ابی داود، السنة، باب الدلیل علی زیادة الإیمان ونقصانه، حدیث:4682

دیا، وہ خود بھی کر کے دکھایا۔ علقمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کیسے کرتے تھے۔ کیا آپ نے (عبادت کے لیے) کچھ ایام خاص کر رکھے تھے؟ جواب میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں ہمیشگی ہوتی تھی۔'' ①

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس طرح ہے:

«أَنَّ أَحَبَّ الأَعْمَالِ أَدْوَمُهَا إِلَى اللهِ وَإِنْ قَلَّ»

''اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین عمل وہ ہے جو باقاعدہ کیا جائے، چاہے تھوڑا ہی ہو۔'' ②

خوش خلقی کی ابتدا مسکراہٹ سے ہوتی ہے، جو کہ ایک اچھا عمل ہے اور حدیث میں اسے صدقے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ»

''تیرا مسلمان بھائی کو دیکھ کر مسکرانا بھی صدقہ ہے۔'' ③

سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''جب سے میں مسلمان ہوا ہوں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (اپنے پاس) اندر آنے سے نہیں روکا اور جب بھی آپ نے مجھے دیکھا، آپ مسکرا دیے۔'' ④

① صحیح بخاری، الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، حدیث: 6466
② صحیح بخاری، الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، حدیث: 6464
③ جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی صنائع المعروف، حدیث: 1956
④ صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل جریر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) حدیث:2475

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ»

''اچھی گفتگو بھی صدقہ ہے۔''①

مطلب یہ کہ میٹھا لہجہ اختیار کرو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے والا ہر شخص آپ کی محبت میں گرفتار ہوجاتا تھا اور ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اس سے محبت کرتے ہیں۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی یہی خیال کرتے تھے۔ ایک روز انھوں نے جرأت کر کے پوچھ ہی لیا۔ اللہ کے رسول! آپ سب سے زیادہ کس سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ابوبکر سے۔ انھوں نے پھر پوچھا، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نام بتائے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس ڈر سے خاموش ہوگیا کہ کہیں آپ مجھے سب سے آخر میں نہ کردیں۔②

حسنِ اخلاق میں سے یہ بھی ہے کہ انسان کسی سے ملے یا کسی مجلس میں جائے تو سب سے پہلے سلام کہے، اگر ممکن ہو تو مصافحہ بھی کرے۔ اسی طرح حسنِ خلق میں یہ بات بہت اہم ہے کہ انسان بات بات پر بگڑے نہ، یعنی زیادہ غصہ نہ کرے۔ اگر کسی بات پر غصہ آجائے تو اسے کنٹرول کرنے کی کوشش کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کنٹرول کرنے کا بڑا آسان نسخہ بتایا ہے، آپ کا فرمان ہے:

«إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ ، فَإِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَ إِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ»

---

① صحيح بخاری ، الأدب ، باب كل معروف صدقة (ذكره تعليقا)

② صحيح بخاری، المغازی، باب غزوة السلاسل ...... حديث: 4358

''اگر تم میں سے کسی کو غصہ آ جائے تو کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اس طرح کرنے سے غصہ دور ہو جائے تو ٹھیک، وگرنہ لیٹ جائے۔''①

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ''ایک مرتبہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لاَ تَغْضَبْ» غصے نہ ہوا کر۔''②

حسنِ اخلاق کے برعکس بدخوئی ہے۔ بدخوئی سے پیش آنا برائی کی ابتدا ہے۔ خوش اخلاقی کے جتنے فوائد ہیں، بدخوئی کے اتنے ہی نقصانات ہیں۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ بدخوئی سچائی کے اظہار میں رکاوٹ بنتی ہے۔ مثلاً استاذ بدخو ہو تو شاگرد سوال پوچھنے کی ہمت نہیں کرے گا، جب کہ علم تو سوال پوچھنے سے آتا ہے۔ اسی طرح آدمی کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو، اگر بدخو ہے تو لوگ اسے پسند نہیں کریں گے۔

6- خدمتِ خلق

دیکھا جائے تو حقوق العباد کا محور ہی خدمتِ خلق ہے۔ حقوق کی ادائیگی ہی خدمتِ خلق ہے۔ خدمتِ خلق یہ ہے کہ آپ کی ذات سے ہر شخص کو فائدہ پہنچے یہاں تک کہ جانور بھی محروم نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ﴾

---

① سنن ابی داود، الأدب، باب مایقال عندالغضب، حدیث: 4782

② صحیح بخاری، الأدب، باب الحذرمن الغضب، حدیث: 6116

”ساری اچھائی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے ہی میں نہیں، بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر (اللہ کی) کتاب پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو، جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور سوال کرنے والے کو دے۔ غلاموں کو آزاد کرے، نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے۔“①

اللہ تعالیٰ نے خدمتِ خلق کے طور پر پسندیدہ مال خرچ کرنے کو حقیقی نیکی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾

”تم نیکی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیز اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو جسے تم عزیز رکھتے ہو۔“②

نبی کریم ﷺ سراپا ایثار تھے۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصاری مسلمانوں نے مہاجر مسلمانوں پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، اپنے باغات انھیں پیش کر دیے، جن کے پاس دو گھر تھے، ایک گھر کسی مہاجر بھائی کو دے دیا، گھر کا نصف سامان اپنے مسلمان بھائی کو دے دیا، ایک صحابی نے تو یہاں تک کہہ دیا: بھائی میری دو بیویاں ہیں، میں ان میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں، تم اس سے شادی کرلو۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ نے مالی امداد کا اعلان فرمایا تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کی ہر چیز اٹھا لائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گھر کا نصف سامان لے آئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان دیے۔ اسی طرح دیگر صحابہ

① سورۃ البقرۃ، آیت: 177 ② سورۂ آل عمران، آیت: 92

نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ایک موقع پر سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا باغ مسلمانوں کے لیے وقف کرنے کا خیال ظاہر فرمایا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے اپنے ماموؤں کو دے دو۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لیے میٹھے پانی کا کنواں خرید کر وقف کیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جنت کی بشارت دی۔

موجودہ دور میں خدمتِ خلق کا جذبہ صاحبِ حیثیت لوگوں کے علاوہ عام لوگوں میں بھی بڑھ رہا ہے۔ دینی، رفاہی اور سماجی اداروں کے قیام کے لیے جہاں ملی وقومی درد رکھنے والے اہل ثروت بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، وہاں کم وسائل کے لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی بساط سے بڑھ کر انفاق فی سبیل اللہ سے کام لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الحاد و گمراہی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ خیر کے انھی کاموں سے کیا جا رہا ہے۔

7- عیادت وتعزیت کی اہمیت

عیادت (بیمار پرسی) بھی خدمت خلق کی ایک قسم ہے، کوئی بیمار ہو تو اس سے ملنے کے لیے جانا، اس کا حال پوچھنا، عیادت کہلاتا ہے۔ اس کا بہت زیادہ اُجر ہے۔ اسی طرح تعزیت کرنا بھی خدمتِ خلق ہے۔ دوسروں کے غم میں شریک ہونا دکھ اور مصیبت کے وقت ان کے کام آنا ہی تو خدمتِ خلق ہے۔ تعزیت کے سلسلے میں فوت شدگان کے ورثا کے پاس جا کر ان کو تسلی دی جائے، لیکن اظہارِ ہمدردی کے بعد بس آ جانا چاہیے۔ کھانے پینے کے لیے وہاں رکنا نہیں چاہیے۔ حقوق العباد میں خدمتِ خلق اہم ترین رکن ہے۔

8- پابندیٔ عہد

عہد کی پابندی بھی حقوق العباد میں شامل ہے۔ عہد کی پابندی صفتِ الٰہی ہے۔

سورۃ الزمر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴾

''اللہ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔''①

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ عہد کو پورا کیا کریں قرآن کریم کے کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس کا تاکیدی حکم بھی دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴾

''اور وعدے کو پورا کرو، بے شک وعدے کے متعلق سوال کیا جائے گا۔''②

نبی کریم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں عہد کی پابندی کس طرح پوری کی، دنیا کے انسان اس کی مثال پیش نہیں کر سکتے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جبکہ مسلمان اور کفارِ مکہ صلح کی شرائط طے کر رہے تھے، ابو جندل نامی ایک صحابی جنہیں مشرکینِ مکہ نے مسلمان ہونے کے سبب قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں دے رہے تھے، ان کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں لیکن کسی نہ کسی طرح بھاگ کر آئے اور سب کے سامنے گر پڑے۔ مشرکین کی طرف سے سہیل بن عمرو کہنے لگا: معاہدۂ صلح کی شرائط کے مطابق آپ ابو جندل کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ ابو جندل کو مشرکینِ مکہ نے اس قدر مارا تھا کہ ان کے جسم پر ضربوں کے نشانات موجود تھے، وہ مجمع کو اپنے زخم دکھلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے اصحابِ محمد! میں اسلام لا چکا ہوں اور اس کی سزا میں مبتلا ہوں کیا مجھے پھر کافروں کے حوالے کر دیا جائے گا؟

---

① سورة الزمر، آیت: 20

② بنی اسرائیل، آیت: 34

مسلمان اس منظر سے تڑپ اٹھے۔ ابو جندل سیدنا عمر فاروق اور دیگر چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فریاد کر رہے تھے اور سب کے دل جوش سے لبریز تھے۔ لیکن دوسری طرف معاہدے پر دستخط ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کو ایفائے عہد کی ذمہ داری کا احساس تھا۔ ان حالات میں نبی کریم ﷺ نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''ابو جندل! صبر وضبط سے کام لو، اللہ تمہارے اور دیگر مظلوموں کے لیے راستہ نکالے گا، صلح کا معاہدہ اب طے ہو چکا ہے، اس لیے ہم تم کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے، کیونکہ اگر تم کو ساتھ لے جائیں گے تو یہ معاہدے کی خلاف ورزی اور بدعہدی ہوگی جسے ہم پسند نہیں کرتے۔'' لہٰذا نبی کریم ﷺ اور آپ کے اطاعت شعار صحابہ کے سامنے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔

نبی کریم ﷺ کے ایفائے عہد کی خوبی کو دشمن بھی تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

> ''قیصرِ روم نے اپنے دربار میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے، جب کہ سیدنا ابوسفیان ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن تھے۔ نبی ﷺ کے متعلق بہت سی باتیں دریافت کیں، اُن میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ کیا محمد (ﷺ) عہد شکنی کرتے ہیں؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: وہ بدعہدی اور وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ یہ سن کر قیصرِ روم نے کہا: تم نے درست کہا، اللہ کے رسول بدعہدی کے مرتکب نہیں ہوتے۔''[1]

اس قسم کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

① صحیح بخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ...... حدیث: 7

9-اخوت ومساوات

نبیِ کریم ﷺ نے مسلمانوں میں اخوت کا جذبہ بیدار فرمایا۔ یہ جذبہ موجود ہو تو حقوق العباد کی ادائیگی میں بہت آسانی رہتی ہے۔ آپ نے مسلمانوں میں رحم کا جذبہ پیدا کیا، اس جذبے کی موجودگی میں حقوق العباد کی ادائیگی میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔ سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَرْحَمُ اللهُ مَنْ لاَّ يَرْحَمُ النَّاسَ»

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا، جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا۔''①

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

«الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ارْحَمُوا مَنْ فِي الأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ»

''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''②

اخوت کی طرح مساوات بھی حقوق العباد میں شامل ہے۔ سورۃ الحجرات میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾

''اے انسانو! تم سب کو اللہ تعالیٰ نے ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا اور تمہیں خاندان خاندان، قبیلہ قبیلہ اس لیے بنا دیا ہے کہ ایک

① صحيح بخارى ، التوحيد ، باب قول النبى ﷺ ﴿قل ادعوا اللّٰه اوادعوا الرَّحْمٰن﴾ ...... حديث : 7376

② جامع الترمذى، البر والصلة ، باب ماجاء فى رحمة الناس ، حديث : 1924

دوسرے کو پہچان سکو، اللہ کے نزدیک سب سے عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔"①

مطلب یہ کہ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ فضیلت اگر ہے تو تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ اسے سماجی معاشرتی زندگی میں مساوی رتبہ دیا جائے اور اقتصادی میدان میں آگے بڑھنے کا مساوی موقع دیا جائے۔

10-احساسِ فرض کی اہمیت اور وقت کی قدر و قیمت

اسلامی معاشرے میں فرض کے احساس کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ فرض کا احساس جب نہیں ہوتا تو ان گنت خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس بنا پر ایک سرکاری ملازم کے لیے خوش اخلاقی ہی کافی نہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دیانت دار بھی ہو۔ وقت کا پابند بھی ہو، ڈیوٹی کے اوقات کو خوش گپیوں میں نہ بسر کرتا ہو۔ بدقسمتی سے وقت کی پابندی جس قدر اہم ہے، مسلمان اس سے اسی قدر بے پروا ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مِنْ حُسْنِ إِسْلاَمِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لاَ يَعْنِيهِ»

"آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتوں کا مشغلہ ترک کر دے۔"②

ہمارے دفاتر میں یہ چیز عام نظر آئے گی، ملازم حضرات خوش گپیوں میں مصروف ہوں گے یا ڈیوٹی سے غائب ہوں گے۔ کسی کو ذمے داری کا احساس نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بڑا سنگین معاملہ ہے۔ قیامت کے دن اس کی باز پرس ہوگی۔ صحیح بخاری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

---

① سورۃ الحجرات ، آیت : 13

② جامع الترمذی ، الزھد ، باب حدیث من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ حدیث:2317 و سنن ابن ماجہ، الفتن ، باب کف اللسان فی الفتنۃ حدیث : 3976

«كُلُّكُمْ رَاعٍ ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»

''تم میں سے ہر ایک رکھوالا اور نگہبان ہے اور قیامت کے دن اس سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا۔''①

ہر آدمی کے ذہن میں یہ بات ہونی چاہیے کہ قیامت کے دن اس نے اللہ کے سامنے پیش ہو کر اپنا حساب دینا ہے۔ لہٰذا اگر وہ دفتری اوقات میں کام کرنے سے جی چرائے گا تو اللہ کو کیا جواب دے گا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں احساس ذمے داری بہت زیادہ تھا۔ ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی تھی کہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کوتاہی میں مبتلا ہوں اور قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے۔

ایک بدو امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور سوال کرنے لگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے گھر میں روٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ بدو مایوس ہو کر چل دیا۔ وہ کہتا جا رہا تھا: اللہ کی قسم قیامت کے روز اللہ تعالیٰ آپ سے میرے متعلق ضرور باز پرس کرے گا۔ اُس کی بات سن کر امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ رو پڑے اور اتنا روئے کی ہچکی بندھ گئی۔ پھر بدو کو بلایا اور اپنے غلام کو آواز دی کہ میری زِرہ لے کر آؤ۔ غلام زرہ اُٹھا لایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ بدو کو دیتے ہوئے کہا: دیکھو یہ زرہ تم سے کوئی ٹھگ نہ لے۔ یہ بڑی قیمتی زرہ ہے۔ اس سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر اڈتی ہوئی پریشانیوں کو بارہا مرتبہ دور کیا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ کا غلام عرض کرنے لگا: امیر المومنین بدو کے لیے بیس درہم کافی تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر یہ دنیا میرے لیے سونا اور چاندی بن جائے اور میں سب کی سب اس شخص کو دے دوں

① صحیح بخاری ، الجمعة ، باب الجمعة فی القری والمدن ، حدیث : 893

تب بھی مجھے کوئی کوفت نہ ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اس شخص کے بارے میں جو میرے سامنے کھڑا ہے، باز پرس کی تو میں کیا جواب دوں گا؟

ہر صاحبِ اختیار شخص کو اس واقعے سے عبرت پکڑنی چاہیے اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اور اپنی آخرت کی فکر کرتے ہوئے ذمے داری کا احساس کرنا چاہیے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبے میں یہ بھی فرمایا تھا: جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں، تم بھی میری اطاعت کرنا اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم میری اطاعت نہ کرنا۔ مطلب یہ کہ سربراہِ مملکت ایمان دار ہو تو اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور اگر بددیانت، فاسق اور فاجر ہو تو ایسے حکمران کے خلاف کلمہ حق کہنا افضل جہاد ہے، ایسے حاکم کا احتساب ہونا چاہیے۔

اچھی حکومت کا مطلب باکردار سرکاری ملازمین ہیں۔ سرکاری ملازمین کو بگاڑنے یا سنوارنے میں اعلیٰ حکام کے علاوہ عوام کا بھی بہت دخل ہے۔ اس معاملے میں سب سے خطرناک کام رشوت ہے۔ عوام رشوت دے کر اپنے کام کراتے ہیں اور بددیانت ملازمین رشوت لیے بغیر کام کرتے نہیں، اس سے معاشرے میں بگاڑ کی خوفناک صورت پیدا ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق غصب کیے جاتے ہیں۔ افسروں کو دیے جانے والے تحائف بھی رشوت کی ایک قسم ہیں۔ البتہ جائز سفارش کی گنجائش ہے۔ جائز سفارش کی صورت یہ ہے کہ جس کی سفارش کی جائے، اس کا مطالبہ حق اور جائز ہو۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنے مطالبے کو خود حکام تک نہ پہنچا سکے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»

''اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے، جب تک کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی امداد میں لگا رہتا ہے۔''①

مختصر یہ کہ عوام کو سرکاری ملازمین کو رشوت دینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ سرکاری عہدے داروں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی روزی کو حرام نہ کریں۔ سفارش کی جائے تو وہ جائز ہو۔

11- تاجر کے فرائض

اسلام نے جہاں تجارت کی حوصلہ افزائی کی ہے، وہاں تاجر کے ذمے کچھ فرائض بھی عائد کیے ہیں کہ وہ تجارت کو شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے فروغ دے اور ہر ایسے طریقے سے اجتناب کرے جو حرام کی طرف لے جاتا ہے۔ مثلاً ناپ تول میں کمی ہیرا پھیری اور دغا بازی سے پرہیز کرے۔ جو لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، ان کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ﴾

''تباہی ہے ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے، جو لوگوں سے ناپ تول کرلیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ تول کر دیں تو کم دیں۔''②

اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں کہ کسی کے حق کی ادائیگی میں کمی کی جائے اور

① صحیح مسلم، الذکرو الدعاء، باب فضل الإجتماع علی تلاوۃ القرآن، وعلی الذکر، حدیث: 2699

② سورۃ المطففین آیت: 1-3

اپنے حق کے حصول میں ذرہ بھر بھی تجاوز کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی ملاوٹ کرنا بھی سخت جرم ہے۔ سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم ناپ تول میں کمی کرتی تھی، تو اللہ کا عذاب ان پر نازل ہوا اور قوم کو زلزلے نے آ لیا اور وہ تباہ ہوگئی۔ دراصل ملاوٹ کرنے والا دوسروں کو دھوکا دیتا ہے اور ان کا حق مارتا ہے۔ ایسے شخص کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے سخت الفاظ فرمائے ہیں۔

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''رسول اللہ نے اناج کا ایک ڈھیر دیکھا۔ آپ نے ڈھیر میں اپنا ہاتھ داخل کیا تو آپ کی انگلیوں کو تری محسوس ہوئی۔ آپ نے ڈھیر کے مالک کو مخاطب کر کے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس پر بارش پڑ گئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

پھر تو نے اس بھیگے ہوئے اناج کو اوپر کیوں نہ رکھا کہ لوگ دیکھ لیتے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»

''جس شخص نے ہم کو دھوکا دیا، وہ ہم میں سے نہیں۔''①

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تجارت کے پیشے کو بڑا پسند فرماتے تھے۔ اور تاجروں سے تجارت کے متعلق گفتگو کرتے رہتے تھے اور آپ ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت لے کر ملک شام کی طرف تشریف لے گئے۔ اور اس امانت و دیانت سے

① صحیح مسلم، الإیمان، باب قول النبی من غشنا فلیس منا، حدیث: 102،101

کام کیا کہ بڑے بڑے تاجر بھی حیران رہ گئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ ﷺ اپنے نفع سے زیادہ خریداروں کے حقوق کا خیال رکھتے تھے۔ جس سے آپ کی خریداری بھی بڑھ گئی اور جو فائدہ پہلے ہوا کرتا تھا۔ اس سے بہت زیادہ فائدہ ہوا۔

نبی کریم ﷺ نے تجارت میں جہاں امانت و دیانت اور سچائی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا وہاں آپ اخلاقِ حسنہ کے زیور سے بھی آراستہ رہے۔ کسی خریدار یا دکاندار کو اپنی زبان سے تکلیف دی اور نہ ہی ہاتھ سے اذیت پہنچائی۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو کسی تاجر کی تجارت کے فروغ کا ذریعہ بنتی ہیں اور حقیقی مسلمان بھی وہی ہے جو ان عمدہ اوصاف سے موصوف ہو جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کون سا مسلمان بہتر ہے؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ»

”جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“ ①
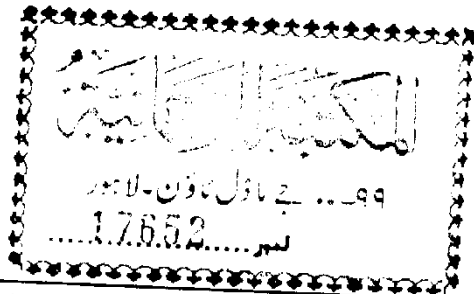
① صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان تفاضل الإسلام وأی أموره أفضل، حدیث:40

حقوق العباد

دین سے دوری اور لاعلمی بہت سے مسائل کو جنم دیتی ہے
اختلاف ہوتا ہے، فتنہ وفساد پھیلتا ہے
تعلقات میں رخنے پیدا ہو جاتے ہیں۔
ان مسائل کو حل کرنے میں، ہمارا دین ہماری بھرپور مدد کرتا ہے
اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کی ہے
اللہ سے بندے کے تعلق کے ساتھ ساتھ
بندے کا بندے سے تعلق کیسا ہونا چاہیے؟
بندے کے بندے پر کیا حقوق ہیں
نبیِ مہرباں ﷺ نے بہت واضح کر کے بتایا ہے
شرط صرف مطالعہ ہے
آپ کے مطالعے اور علم میں اضافے کے لیے
یہ کتاب ''حقوق العباد'' تیار کی گئی ہے
خلوصِ دل سے پڑھیے ہمیں یقین ہے کہ اس سے
رشتوں میں استحکام اور مضبوطی پیدا ہو گی۔
ان شاء اللہ

ISBN: 9960-732-62-2
9 789960 732626